پسند کی شادی

اسلام اور قانون

۲۰۰ سوال ۲۰۰ جواب

ظفر علی راجا

ادارہ قومی مصنّفین

اگر آپ نے کسی کتاب کا مسودہ مکمل کر رکھا ہے اور اسے اپنے سرمائے سے شائع کرا کے منظرعام پر لانا چاہتے ہیں لیکن عدیم الفرصتی کی بنا پر آپ خود یہ کام انجام نہیں دے سکتے تو ادارہ قومی مصنّفین اس سلسلے میں آپ کی خدمت کرنے میں خوشی محسوس کرے گا۔ ہمارے اشاعتی منصوبہ کے تحت آپ کی کتاب دلکش انداز سے کم ازکم لاگت میں شائع کی جا سکتی ہے ادارے کے پاس اردو کمپیوٹر کمپوزنگ شعبہ کتابت اور آرٹ کے علاوہ ہر قسم کی رنگین اور سادہ چھپائی کا انتظام بھی ہے۔ آپ کی کتاب اول تا آخر تجربہ کار عملے کی نگرانی میں طباعت کے عمل سے گذرے گی ادارہ نہ صرف آپ کی کتاب اپنی نگرانی میں شائع کرائے گا بلکہ اس کی فروخت میں بھی آپ کا مددگار ثابت ہو گا۔ جملہ تفصیلات بالمشافہ طے کی جائیں گی۔

آرش صدیقی

ناظم ادارہ قومی مصنّفین

رابطہ: ۳۰ سعدی روڈ اسلام پورہ لاہور

فون : 7224428

۲۰۰ سوال ۲۰۰ جواب

ظفر علی راجا

ناشر : راجہ آصف علی خان
باراول : ستمبر 1997ء
تعداد : ایک ہزار
کمپوزنگ : انکشاف کمپوزنگ سنٹر
22/O عوامی فلیٹس ریواز گارڈن لاہور
مطبع : بکمن پرنٹرز غالب کالونی لاہور
قیمت : 40 روپے

اہتمام اشاعت : آرش صدیقی
ناظم
ادارہ قومی مصنفین پاکستان
3 سعدی روڈ اسلام پورہ لاہور

خط و کتابت کا پتہ

6 نصیر الدین روڈ اسلام پورہ لاہور

ترتیب

200سوال

(جن کے جواب یہ کتاب مہیا کرتی ہے)

جائز نکاح کے بارے میں کچھ اہم نکات (صفحہ نمبر19 تا30)

- قانون کی نظر میں نکاح کی تعریف کیا ہے؟ نکاح کیا ہوتا ہے؟
- نکاح کے بنیادی مقاصد کیا ہیں؟
- کون کون سے افراد خود نکاح کرنے کے اہل قرار پاتے ہیں؟
- لڑکی کی رضامندی کے بغیر ہونے والے نکاح کی قانونی حیثیت کیا ہے؟
- نکاح کے لوازمات اور مختلف مراحل کیا ہیں؟
- کیا نکاح کے گواہوں کا مسلمان ہونا ضروری ہے؟
- اگر ایجاب و قبول الگ الگ موقعوں پر کیا گیا ہو تو کیا ایسا نکاح قانونی تصور ہوگا؟
- کیا کسی مذہبی تقریب یا رسم کے بغیر نکاح کو بھی قانون درست تسلیم کرتا ہے؟
- اگر نکاح کے وقت گواہوں کی تعداد کم ہو تو اس کے کیا اثرات ہوں گے؟
- نکاح کے وقت لڑکی اور لڑکے کو ایجاب و قبول کے مرحلے میں کیا الفاظ ادا کرنا چاہئیں؟
- اگر نکاح متنازعہ ہو جائے تو نکاح کے ثبوت کے لئے کیا کرنا ہوگا؟
- تحریری نکاح کی عدم موجودگی میں شادی کو کس طرح ثابت کیا جا سکتا ہے؟
- تحریری ثبوت نکاح کے بغیر لڑکی لڑکے کا اکٹھے رہائش پذیر ہونا بھی نکاح کا ثبوت بن سکتا ہے؟
- نکاح کا ثبوت نہ ہو تو کیا لڑکا لڑکی عدالت میں خود اپنی شادی کی تصدیق کر سکتے ہیں؟
- نکاح کی معاشرتی حیثیت کیا ہے؟
- نکاح سے متعلق اسلامی تعلیمات کیا ہیں؟
- کیا نکاح سنت رسول مقبول ﷺ ہے؟ کیا اس کا ترک کرنا گناہ ہے؟
- نکاح کرنے کا اسلامی اور قانونی طریقہ کیا ہے؟
- نکاح میں دلہن کا وکیل کون بن سکتا ہے اس کا کردار اور ذمہ داریاں کیا ہونی چاہئیں۔
- نکاح کے گواہوں کی کیا اہمیت ہوتی ہے اور یہ کیوں ضروری ہیں؟

کیا لڑکی کا صاحب الرائے ہونا ضروری ہے

پسند کی شادی اور والدین یا ولی کی اجازت

شادی کی رجسٹریشن اور اس کے اثرات

سول میرج 'عدالتی شادی یا ایک دھوکہ (صفحہ نمبر 56 تا 62)

پسند کا نکاح ثانی (صفحہ نمبر 64 تا 69)

متفرق مذاہب اور مختلف عورتوں سے شادیاں (صفحہ نمبر 70 تا 74)

- کیا ایک مسلمان مرد عیسائی یا یہودی عورت سے جائز شادی کر سکتا ہے؟
- ایک مسلمان مرد کی ہندو' بدھ' بت پرست یا آتش پرست عورت سے شادی جائز ہے؟
- کیا ایک مسلمان' قادیانی عورت سے جائز اور قانونی شادی کر سکتا ہے؟
- کیا طوائف سے شادی جائز ہوتی ہے؟
- ایک مسلمان مرد بھارتی مسلمان یا کسی غیر ملکی مسلمان عورت سے شادی کر سکتا ہے؟
- کیا ایک شیعہ مرد سنی عورت سے یا سنی مرد شیعہ عورت سے قانونی شادی کا اہل ہے؟
- اگر حاملہ عورت سے شادی کر لی جائے تو کیا قانون اسے جائز سمجھتا ہے؟

پسند کی شادی' مقدمات اور سزائیں

- کیا پسند کی شادی کرنے والے جوڑوں یا ان میں سے کسی ایک کے خلاف کچھ فوجداری مقدمات بھی تھانے میں درج ہو سکتے ہیں؟
- اگر ہاں تو حدود آرڈیننس کے تحت کون کون سے مقدمات قائم کیے جا سکتے ہیں؟
- کیا تعزیرات پاکستان کے تحت بھی مقدمات بن سکتے ہیں۔ اور کون کون سے؟
- کسی لڑکی کو گھر سے بھاگ چلنے پر اکسانے کی بھی کوئی سزا ہے اور اگر ہے تو کیا؟
- کیا پسند کی شادی کے لئے گھر چھوڑنے والے جوڑے کے علاوہ' ان کے دوستوں' پناہ دینے والوں یا رشتہ داروں کے خلاف بھی کیس بن سکتے ہیں؟ اور کون کون سے؟
- قانون کی نگاہ میں اکسانہ جرم کب بنتا ہے؟
- زناء یا اغواء کے لئے مجرمانہ سازش سے کیا مراد ہے؟
- مجرمانہ سازش پر کیا سزا دی جا سکتی ہے؟

حدود کے تحت مقدمات اور سزاؤں کی مختصر تشریح

- اسلامی حدود جرائم کی روشنی میں زناء کی تشریح کیا کی جا سکتی ہے؟
- زناء کے جرم پر کیا موت یا سنگسار کی سزا دی جا سکتی ہے؟
- زناء کی سزا کی توثیق کون سی عدالت کرتی ہے؟
- زناء اور زنا بالجبر میں کیا فرق ہے۔ قانون زنا بالجبر کی کیا تشریح کرتا ہے؟
- زناء کے لئے جوڑے کی مرضی یا کسی ایک کی اجازت سے کیا مراد ہے۔ مرضی اور اجازت میں کیا فرق ہے؟
- زنا بالجبر کی زیادہ سے زیادہ کیا سزا ہے۔ کیا سزائے موت دی جا سکتی ہے؟

- اگر پسند کی شادی کرنے والا جوڑا یا ان میں سے ایک نابالغ ہو تو کیا اسے بھی اسی طرح زناء کا مجرم سمجھا جائے گا جیسے بالغ کو؟
- زنا یا زنا بالجبر کے جرم کو عدالت میں کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے؟
- تزکیہ الشہود سے کیا مراد ہے؟
- ناکافی ثبوت کی وجہ سے حد نہ لگائی جا سکتی ہو تو پھر زناء کے جرم پر دوسری کیا سزا دی جا سکتی ہے؟
- کیا یہ مقدمہ بھی درج ہو سکتا ہے کہ کسی لڑکی کو شادی پر مجبور کیا جا رہا ہے؟
- لڑکی کو اغواء کرنے یا بھگا لے جانے سے قانون کیا مراد لیتا ہے؟
- کیا یہ بھی الزام لگایا جا سکتا ہے کہ لڑکی کو دراصل طوائف بنانے کے لئے لے جایا گیا ہے؟
- کیا یہ الزام بھی لگ سکتا ہے کہ لڑکی کو فروخت کرنے کے لئے اغواء کیا گیا ہے؟
- لڑکی کو قحبہ خانے یا بد قمار ہوسٹل میں لے جانا بھی جرم ہے۔ اس کی سزا کیا ہے؟
- کیا یہ درست ہے کہ شادی کا دھوکہ دے کر لڑکی کو بھگا لے جانے اور شادی کا یقین دلا کر اس کے ساتھ جنسی فعل کے الزام میں بھی مقدمہ درج ہو سکتا ہے؟
- عورت کو بہلا پھسلا کر لے جانا کس طرح کا جرم ہے اور اس کی سزا کیا ہے؟
- سنگسار کرنے کا کیا طریقہ ہے؟
- کیا سنگسار کرتے ہوئے مجرم پر فائرنگ کر کے اسے ہلاک بھی کیا جا سکتا ہے؟
- اگر کسی حاملہ عورت کو سنگسار کی سزا سنا دی جائے تو اس پر عمل کب اور کس طرح ہو گا؟
- کوڑے لگانے کی شرائط اور طریقہ کیا ہے؟
- حاملہ عورت کو بھی کوڑے لگائے جا سکتے ہیں؟
- کوڑا کس چیز کا بنا ہوا ہونا چاہئے اور اس کی موٹائی اور لمبائی کیا ہو گی؟
- بدن پر کس کس جگہ اور کیسے کوڑے لگائے جا سکتے ہیں؟

ضمانت کے معاملات اور عدالتی فیصلے

(صفحہ نمبر 91 تا 103)

- غیر قانونی شادی، اغواء یا زناء کے مقدمات میں کون سی عدالت درخواست ضمانت کی سماعت کرنے کی مجاز ہے؟
- اگر ملزم کی عمر 16 سال سے کم ہو تو کیا ضمانت کے سلسلے میں کم عمری کو مدنظر رکھا جائے گا؟
- اگر ملزم معمر ہو تو اس کی بزرگی کو بھی مد نظر رکھا جائے گا۔
- ایف آئی آر درج کروانے میں تاخیر کے ضمانت پر اثرات کیا ہیں؟
- اگر پولیس چالان دیر سے داخل کرے تو ملزم کی ضمانت کی بنیاد بن سکتی ہے؟

- اگر لڑکی حق بلوغت استعمال کرتے ہوئے پہلی شادی مسترد کر کے دوسری شادی کر لے تو کیا اس امر کو ضمانت کا جواز بنایا جا سکتا ہے؟
- کیا لڑکی کا ضامن صرف اس کا کوئی محرم ہی ہو سکتا ہے؟
- اگر ملزمہ دودھ پیتے بچے کی ماں ہو تو کیا اس بنیاد پر اس کی ضمانت ہو سکتی ہے؟
- اگر ضمانت اور شادی کے معاملے میں تبدیلی مذہب کا سوال بھی ہو تو ----- ؟
- ضمانت کے معاملات میں نکاح کی رجسٹریشن کیا کردار ادا کرتی ہے؟
- اگر ملزم پولیس کے سرکاری اثرات کے تحت کوئی بیان دے تو ضمانت کی حد تک عدالت اسے کس نگاہ سے دیکھے گی؟
- اگر نکاح لڑکی کے گھر سے کسی دور دراز مقام پر سرانجام پایا ہو تو درخواست ضمانت کیا محض اس بناء پر مسترد کی جا سکتی ہے؟
- اگر نکاح کا معاملہ مزید تحقیق کا متقاضی ہو تو کیا ضمانت حق بن جاتی ہے؟
- اگر شادی کے معاملے میں لڑکی کی بلوغت کا مسئلہ درپیش ہو تو درخواست ضمانت پر اس کے کیا اثرات ہوں گے؟
- اگر موقف یہ ہو کہ لڑکی سے زبردستی نکاح کیا گیا ہے تو ----- ؟
- لڑکا مفرور ہو اور لڑکی جیل میں -- تو کیا لڑکے کی گرفتاری تک لڑکی کی ضمانت نہ ہو سکے گی؟
- اگر طلاق مکمل ہونے سے قبل لڑکی دوسری شادی کر لے تو اس کی ضمانت کب ہو سکتی ہے؟
- سوتیلی بیٹی سے شادی کرنے والا شخص کیا ضمانت کا استحقاق رکھتا ہے؟
- نکاح پر نکاح یا شادی پر شادی کرنے والے ملزم کی ضمانت کے لئے کیا اصول ہے؟
- پولیس تفتیش میں نکاح جعلی ہو لیکن عدالت میں لڑکی لڑکا ایک دوسرے کو میاں بیوی تسلیم کر لیں تو درخواست ضمانت پر اس کے کیا اثرات ہوں گے؟
- دوسرے ضلع میں ہونے والی شادی کو ضمانت کے موقع پر کس نگاہ سے دیکھا جائے گا؟

بازودعویٰ اور تکذیب نکاح کے حربے (صفحہ نمبر 104 تا 112)

- کیا یہ درست ہے کہ محبت کی شادی کرنے والے جوڑے بازو دعویٰ اور تکذیب نکاح کی کارروائی کو سزا سے بچنے کے چور دروازے کے طور پر استعمال کرتے ہیں؟
- پسند کی شادی کے بعد "بیوی" کو قانونی طور پر حاصل کرنے کے لئے کیا حربے استعمال میں آتے ہیں؟
- بازودعویٰ سے کیا مراد ہے۔ دعویٰ اعادہ حقوق زن آشوئی کیا ہوتا ہے؟

- حدود آرڈیننس کی زد سے بچنے کے لئے خفیہ شادی کے بعد کیا اقدامات کیے جاسکتے ہیں؟
- بازودعویٰ جیسے طریقے کے غلط مفاد کو روکنے کے لئے ہائی کورٹ نے کیا پیش بندی کی ہے؟
- تکذیب نکاح کا دعویٰ کیا ہوتا ہے؟
- تکذیب نکاح کا دعویٰ کون کون دائر کر سکتا ہے؟
- تکذیب کی قانونی تعریف کیا کی جاسکتی ہے؟
- تکذیب نکاح کا دعویٰ دائر ہونے پر عدالتی فرائض کیا ہوتے ہیں؟
- بازودعویٰ اور تکذیب نکاح کے ایک دوسرے پر کیا قانونی اثرات ہیں؟
- کیا بازودعویٰ اور تکذیب نکاح کے دعووں کو ایک شہر کی عدالت سے دوسرے شہر میں تبدیل کروایا جاسکتا ہے؟

درخواست حبس بے جا (صفحہ نمبر113 تا119)

- حبس بے جا کی درخواست کیا ہوتی ہے اور پسند کی شادی کے معاملے میں اس درخواست کے کیا اثرات ہیں؟
- حبس بے جا کی درخواست کا حق کس قانونی بنیاد پر حاصل ہوتا ہے؟
- یہ درخواست کون شخص دائر کر سکتا ہے؟
- حبس بے جا کی درخواست آنے پر عدالت کس طرح کارروائی کرتی ہے؟
- حبس بے جا کی درخواست کا فیصلہ کرتے ہوئے کون سے اصول مدنظر رکھے جاتے ہیں؟

پولیس کے خلاف ہراساں نہ کرنے کی درخواست (صفحہ نمبر120 تا121)

- پسند کی شادی پر اگر پولیس ہراساں کرنے کی کوشش کرے تو کیا کیا جائے؟
- آئین کے آرٹیکل35 اور199 کے تحت کیا حقوق حاصل ہیں؟
- کیا عدالت پولیس وغیرہ کو حکم دے سکتی ہے کہ وہ شادی شدہ جوڑے کی زندگی میں کسی طرح کی مداخلت نہ کریں؟

منسوخی مقدمات کی درخواست (صفحہ نمبر122 تا125)

- زبردستی نکاح اور اس سے قبل پسند کی شادی پر جھوٹا مقدمہ کیسے ختم کروایا جاسکتا ہے؟
- بیوی اور اس کی سوتیلی ماں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا اگر جرم نہیں ہے تو اس مقدمے کو کہاں سے اور کیسے ختم کروایا جاسکتا ہے؟
- گھر سے فرار ہو کر کی جانے والی شادی کے ضمن میں عدالتی صوابدید کی بنیاد کیا ہوتی ہے؟

غیر معمولی شادیاں (صفحہ نمبر126 تا 129)

- اگر بیوی کی موجودگی میں کوئی شخص سالی سے بھی شادی کر لے اور اولاد بھی ہو جائے تو کیا یہ شادی اور اولاد قانونی تصور ہو گی؟
- کیا کوئی شخص بیوی کی موجودگی میں ساس سے بھی شادی کر سکتا ہے اور اگر ساس بیوی کی سوتیلی ماں ہو تو کیا یہ شادی جائز ہو گی؟
- شادی شدہ خاتون سے شادی جائز ہے؟ خاص کر اگر عورت نے مرد کو اپنی پہلی شادی کے بارے میں اندھیرے میں رکھا ہو؟
- اگر دو شوہر یہ دعویٰ کریں کہ فلاں عورت ان کی بیوی ہے تو عدالتی فیصلہ کیا ہو گا؟
- کیا ماموں سے شادی جائز ہے' ناجائز ہونے کی صورت میں کیا سزا ہے؟
- عدالت کے حکم امتناعی کے باوجود شادی کر لینے پر کیا شادی غیر قانونی قرار پا جائے گی؟

جنس' رومان اور اسلامی قانون (صفحہ نمبر130 تا 133)

- آزادانہ جنسی میل جول' باہمی تعلقات اور جسمانی روابط سے متعلق قرآنی ہدایات کیا ہیں؟
- مرد اور عورت کے تعلقات سے متعلق احادیث نبوی ﷺ کیا اصول متعین کرتی ہیں؟
- کیا اسلام غیر محرم مردوں سے عورتوں کے تعلقات یا کورٹ شپ کی اجازت دیتا ہے؟

بنیادی انسانی حقوق' جنسی آزادی اور پسند کی شادی (صفحہ نمبر134 تا 135)

- کیا عورت اور مرد کے آزادانہ میل جول پر پابندی بنیادی انسانی حقوق سے متصادم ہے؟
- کیا آزادانہ جنسی تعلق کے بعد' مادر پدر آزاد پسند کی شادیؐ کو دو اشخاص کا ذاتی معاملہ یا بنیادی انسانی حق قرار دینا معاشرتی طور پر درست ہو گا؟

شادی کا معاہدہ اور مذہبی تقدس (صفحہ نمبر136 تا 137)

- شادی کے معاہدہ کے بنیادی مقاصد کیا ہوتے ہیں؟
- کیا نکاح کے موقع پر کسی مذہبی رسم کی ادائیگی ضروری ہے؟
- کیا شادی محض اور سادہ معاہدہ ہے یا اس کے ساتھ کوئی مذہبی تقدس بھی وابستہ ہے؟
- کیا لڑکی کا اپنے سرپرستوں پر انحصار ضروری ہے۔ آئین اس سلسلے میں کیا کہتا ہے؟

عاقل بالغ اولاد اور اللہ کا حکم (صفحہ نمبر138 تا 140)

- پسند کی شادی کے تناظر میں والدین کی اہمیت اور ان کی خوشنودی کے سلسلے میں اسلامی احکامات

کیا ہیں؟

○ اولاد اور والدین کے حقوق و فرائض سے متعلق قرآنی ہدایات کیا ہیں؟

○ کیا اولاد کو یہ حق حاصل ہے کہ محض اپنی لطف اندوزی کے لئے والدین کو شرم اور ندامت کے کنوئیں میں دھکیل دے؟

○ کیا اللہ کی خواہش محض ایک ہدایت کا درجہ رکھتی ہے لہٰذا اولاد پر والدین کی اطاعت کو قانونی درجہ نہیں دیا جا سکتا۔

پسند کی شادی پر ہائی کورٹ کے اخذ کردہ نتائج (صفحہ نمبر 14 تا 143)

○ کیا لڑکی کی رضامندی کے بغیر بھی ولی کو اس کی شادی کا اختیار حاصل ہے؟

○ کیا اسلام میں چوری چھپے شادی یا بغیر شادی تعلقات کی اجازت ہے؟

○ پسند کی شادی کرنے والی لڑکی پر والدین سے مشاورت لازمی ہے؟

○ کیا اپنے جیون ساتھی کی خود تلاش اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے؟

○ اگر والدین بچوں کی جائز خواہش کو نہ مانیں تو اولاد کس عدالت سے رجوع کر کے شادی کی اجازت حاصل کرے؟

○ وٹے سٹے کی ناپسندیدہ شادی کے سلسلے میں والدین کے خلاف لڑکی اپنا حق کس طرح استعمال کر سکتی ہے؟

○ پسند کی شادی کو اگر والدین منسوخ کروانا چاہیں تو کس بنیاد پر کروا سکتے ہیں؟

پسند کی شادی اور عدالتی صوابدید (صفحہ نمبر 144)

○ کیا عدالت بدنیتی سے کی جانے والی پسند کی شادی کو منسوخ کر سکتی ہے؟

○ خاندانی عزت و ناموس اور معاشرتی اخلاقی اقدار کے برعکس کی جانے والی شادیاں عدالت سے منسوخ کروائی جا سکتی ہیں؟

○ اگر اہل خاندان کسی لالچ کے تحت کسی لڑکی کی شادی کرنے پر تلے ہوئے ہوں تو کیا لڑکی بذریعہ عدالت انہیں اس ارادے سے باز رکھ سکتی ہے؟

○ کیا عدالت لڑکی کو اس کی مرضی سے شادی کرنے کے لئے اجازتی سرٹیفکیٹ جاری کر سکتی ہے؟

❀

عرض مولف

پسند کی شادی' مطلب و معنی

جب دوستوں کے علم میں یہ بات آئی کہ میں "پسند کی شادی' اسلام اور قانون" کے زیر عنوان ایک کتاب ترتیب دے رہا ہوں تو اکثریت نے اس عنوان کو پسند کیا اور اسے شائستہ اور مناسب قرار دیا۔ جبکہ بعض کرم فرماؤں کا خیال یہ تھا کہ 'پسند کی شادی' کے الفاظ موضوع کی صحیح ترجمانی نہیں کرتے۔ اس سلسلے میں ان کے استدلال کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ان کا پہلا استدلال تو یہ تھا کہ اسلام میں ہر جائز شادی درحقیقت پسند کی شادی ہی ہوتی ہے کیونکہ جب تک فریقین ایک دوسرے کو بطور میاں بیوی دل سے تسلیم نہ کرلیں' کوئی قانونی شادی منعقد ہی نہیں ہوتی اس لئے محبت کی شادی یا --- لو میرج --- کو پسند کی شادی کہنے سے موضوع کی اصل روح نمایاں ہو کر سامنے نہیں آتی۔

دوسرا استدلال رکھنے والے کچھ دوسرے احباب کا اصرار یہ تھا کہ محبت کی شادی میں خاندان' رواج اور بعض اوقات مذہبی اقدار تک سے بغاوت کے عناصر موجود ہوتے ہیں۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو پسند کی شادی کے الفاظ معاشرتی شدت

خاندانی غصے اور اس فطری ردعمل کو ظاہر کرنے سے قاصر دکھائی دیتے ہیں جو اس سارے معاملے میں رواں دواں ہوتا ہے۔

اعتراض کرنے والے دوستوں کی تجویز تھی کہ اس کتاب کے عنوان "پسند کی شادی' اسلام اور قانون' میں اسلام اور قانون کے الفاظ تو صحیح ہیں لیکن پسند کی شادی کے بجائے "مفرور لڑکیوں کی شادی" لکھا جاتا تو زیادہ قرین قیاس تھا۔ ایک اور بزرگ نے فرمایا کہ 'پسند کی شادی' کے بجائے 'معاشقانہ شادی' زیادہ مناسب ہے۔ ایک دانشور دوست کا فرمان تھا کہ لفظ مفرور عموی اور قانونی طور پر ان قیدیوں کی نمائندگی کرتا ہے جو جیل سے فرار ہو گئے ہوں لہٰذا صرف مفرور لڑکیوں کی شادی کے بجائے اگر 'گھر سے بھاگی ہوئی لڑکیوں کی شادی' اسلام اور قانون' اس کتاب کا عنوان تجویز ہوتا تو شاید موضوعاتی لحاظ اپنے متن کے زیادہ قریب ہوتا۔

استدلال کے مذکورہ بالا دونوں پہلوؤں سے ہٹ کر' ایک اور بہی خواہ کی تاجرانہ بلکہ ناشرانہ رائے یہ تھی کہ سیدھے سبھاؤ پسند کی شادی کے بجائے' محبت کی شادی۔۔۔ یا پھر انگریزی گراں خاطر نہ ہو تو۔۔۔ "لو میرج' اسلام اور قانون"۔۔۔ کے زیر عنوان اس کتاب کو زیور طبع سے آراستہ کیا جائے۔ اس عنوان سے یہ کتاب عوامی بک سٹالوں پر "گرم کیک" کی طرح فروخت ہو گی اور خاصے مالی مفاد کا موجب بنے گی۔

میں نے سب دوستوں کی آراء پر سنجیدگی سے غور کیا۔ اس نقطہ نظر سے بھی کہ کیا یہ عنوان کتاب کے متن کو آشکار کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں۔۔۔ اور اگر اسلام میں ہر شادی پسند کی شادی ہوتی ہے تو کیا ایسی شادیوں کے لئے جو اس کتاب کا موضوع ہیں لازمی طور پر پسند کے بجائے کوئی ایسا لفظ استعمال کرنا چاہئے جس سے' بقول شخصے' مثبت کے بجائے منفی تاثر ابھرتا ہو اور ان شادیوں کو معاشرتی جرم کی ذیل میں لے آتا ہو۔۔۔ یا کم از کم اس سے نفرت یا طنز کا پہلو نمایاں ہوتا ہو۔

دوستوں کے خیالات عالیہ کی روشنی میں' میں نے معاشقانہ شادی' مفرور لڑکیوں کی شادی' گھر سے بھاگی ہوئی لڑکیوں کی شادی' لو میرج' سول میرج' عدالتی شادی اور

'خفیہ شادی جیسی تراکیب کو 'پسند کی شادی' کے متبادل الفاظ کے طور پر پرکھا اور موضوع سے مناسبت اور پس منظر کے حوالے سے ان پر غور و خوض کیا۔

جہاں تک معاشقانہ شادی یا لو میرج کا تعلق ہے تو یہ کس طرح فرض کیا جا سکتا ہے کہ ماں باپ کی شرکت اور رضامندی سے منعقد ہونے والی شادیاں قبل از نکاح عشق یا محبت کے عنصر سے ہمیشہ پاک اور مبرا ہوتی ہیں۔ ہمارے موجودہ معاشرتی اور نسبتاً" آزادانہ سماجی رویئے کے باوصف تو اکثر دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ محبت یا پسندیدگی پہلے پروان چڑھتی ہے اور پھر لڑکی لڑکا کسی نہ کسی طریقے سے اپنی خواہشات والدین تک پہنچاتے ہیں اور والدین تھوڑے احتجاج' ڈراوے یا کوشش کے بعد اولاد کی ضد یا سرکشی کے آگے ہمت ہار دیتے ہیں اور اپنی سفید پوشی کو بچانے کے لئے شادی کی نہ صرف اجازت دے دیتے ہیں بلکہ بادل ناخواستہ اپنے ہاتھوں سے اس کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔ آج کل ہونے والی شادیوں کا جائزہ لیا جائے تو ایسی شادیاں اکثریت میں دکھائی دیتی ہیں جو خاندانوں سے باہر ہو رہی ہیں۔ جن میں معاشرتی مرتبے کو پیش نگاہ نہیں رکھا جاتا اور کفو میں شادی کے فقہی تصور کو نظرانداز کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا عشق یا محبت کے نتیجے میں عالم وجود میں آنے والی شادیوں کی مجموعی طور پر مذمت مناسب دکھائی دیتی ہے۔ دراصل قابل مذمت وہ طریقہ یا عمل ہے جسے محبت کی شادی کرنے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔ بشرطیکہ یہ عمل ہماری دینی' قانونی اور سماجی اقدار کو مجروح کرنے والا ہو۔

باقی رہا "مفرور لڑکیوں کی شادی"--- یا پھر--- "گھر سے بھاگی ہوئی لڑکیوں کی شادی" تو یہ الفاظ بطور عنوان چند ایک واقعات پر تو مکمل طور پر صحیح اور مناسب دکھائی دیں گے لیکن محبت کی شادی کے ہر معاملہ کے سیاق و سباق پر شاید پورے نہ اتریں اور بعض مثالیں تو ایسی ہیں بھی ہو سکتی ہیں جن پر ان کا اطلاق بالکل غلط اور نامناسب قرار دے دیا جائے۔ مثلاً ایک عاقل بالغ لڑکی جس کا اس دنیا میں یا اس ملک میں جہاں وہ قیام پذیر ہے کوئی رشتہ دار یا ماں باپ نہ ہوں اور وہ اپنی مرضی سے شادی کر لے تو ایسی شادی کو ایک 'مفرور لڑکی کی شادی' نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح

کی کئی مثالیں "گھر سے بھاگی ہوئی لڑکیوں کی شادی" جیسے عنوان کے رد میں بھی پیش کی جا سکتی ہیں۔ تلاش روزگار کے غم نے مردوں اور عورتوں کو پوری دنیا میں پھیلا کر تنہا کر دیا ہے۔ اس لئے اب "گھر" اور "فرار" کے محدود معنی ہر ایسی شادی کو نہیں پہنائے جا سکتے ہیں جس میں گھر یا ولی عملی طور پر شامل نہ ہو۔ یہی معاملہ اور شکل "خفیہ شادی" جیسے عنوان کے ساتھ بھی ہے۔ محبت کی تمام شادیاں ضروری نہیں کہ ہمیشہ خفیہ ہی ہوں' بہت سی ایسی شادیاں بھی دیکھنے میں آتی ہیں جن میں سگے ماں باپ یا بہن بھائی شریک نہیں ہوتے لیکن دادا' دادی' چچا چچی یا کچھ دوسرے عزیز و اقارب باقاعدگی اور خوشدلی سے شامل ہوتے ہیں' باقاعدہ بارات آتی ہے' جہیز دیا جاتا ہے اور دھوم دھڑکے سے رخصتی ہوتی ہے۔

باقی رہی "سول میرج' یا عدالتی شادی کی بات ـــــ تو یہ عنوانات موضوع کی وسعت کو کتاب کے صرف ایک باب تک محدود کر دینے کے مترادف ہوں گے۔ سول میرج یا عدالتی شادی کا تصور نہ صرف ایک دھوکہ ہے بلکہ یہ عمل شادی کرنے والے جوڑے کو مذہب کے دائرے سے بھی باہر نکال دیتا ہے۔ اس لئے کتاب کا عنوان عدالتی شادی' اسلام اور قانون نہ صرف یہ کہ بالکل نامناسب ہوتا بلکہ اس میں عدالت اور قانون کے الفاظ ایک ایسی تکرار بھی پیدا کر دیتے جس میں طبع نازک پر گراں گزرنے کا احتمال بھی پوشیدہ تھا۔

کوئی بھی شخص فرار ہو کر شادی کرے' گھر سے بھاگ کر نکاح کر لے۔ خانہ آبادی کا سبب عشق بازی ہو ـــــ یا اس کی بنیاد محبت پر استوار ہو ـــــ ایجاب و قبول دنیا سے چھپ کر خفیہ طور پر کیا جائے یا بر سر عدالت ـــــ یہ بات بہرحال طے ہے کہ اس طرح کی شادی کی بنیاد زوجین کی باہمی پسند اور صرف پسند پر ہی ہوتی ہے۔ اب رہا یہ اعتراض کہ درحقیقت ہر شادی (یعنی والدین کی طے کردہ شادی) پسند کی شادی ہوتی ہے' اصولی طور پر تو درست ہے لیکن ہر شخص اس بات کی تصدیق کرے گا کہ ماں باپ کی طے کردہ شادی کو عرف عام میں کبھی بھی "پسند کی شادی' کہہ کر نہیں پکارا جاتا۔ ایسی شادیوں کے لئے صرف شادی کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور اس لفظ میں اہ

خود یہ مطلب و معنی پوشیدہ ہیں کہ مذکورہ شادی خاندان کی رضا مندی سے منعقد ہوئی ہے۔ ہمارے معاشرے میں ایسی شادی کو کبھی پسند کی شادی کہہ کر نہیں پکارا گیا۔ لہٰذا ہماری گزارش ہے کہ اس کتاب کی حد تک "پسند کی شادی" کا مطلب ایسی شادی سمجھا جائے جس میں فریقین اور خاص کر لڑکی کے والدین اپنی ناپسندیدگی یا نارضامندی کے سبب شریک نہ ہوئے ہوں۔

جائز نکاح کے بارے میں کچھ اہم نکات

پسند کی شادی کے بہت سے معاملات والدین' اہل خاندان یا معاشرتی اقدار کے دباؤ کے تحت تھانوں اور عدالتوں تک جا پہنچتے ہیں۔ تھانوں میں تفتیش کے دوران اور عدالتوں میں مقدمات کی سماعت کے دوران شادی سے متعلق تمام دستاویزات کی بہت باریکی سے چھان پھٹک اور جانچ پڑتال کی جاتی ہے۔ اکثر مقدمات میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ پسند کی شادی کے معاملے میں نکاح اور شادی کی دستاویزات قانونی نقائص سے بھری ہوئی ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس ایسی شادیوں کے معاملات بھی توجہ کا مرکز بن چکے ہیں جن میں لڑکی کی شادی' اس کی رضامندی کے بغیر' کہیں اور کر دی گئی' جس کے نتیجے میں بعد ازاں خانگی کشیدگی اور مقدمہ بازی تک نوبت پہنچی اور جب دستاویزات نکاح کی جانچ ہوئی تو اس میں بھی بہت سے نقائص موجود تھے جن کی بنیاد پر پوری شادی کی کارروائی ہی قانون کی نگاہ میں مشکوک ہو کر رہ گئی۔

مناسب دکھائی دیتا ہے کہ جائز نکاح کی تعریف' اہمیت' لوازمات' کلمات' ثبوت' قانونی طریقے' وکیل کے کردار' گواہان نکاح کی ضرورت' نکاح خوانوں کے فرائض' خفیہ نکاح کی قانونی حیثیت اور نکاح رجسٹرار کے بغیر ہونے والے نکاح کے بارے میں

عدالتی فیصلے اور آراء کا مختصر جائزہ لیا جائے۔

نکاح کیا ہوتا ہے

جرم زنا (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء کی دفعہ 2 ذیلی دفعہ سی میں شادی کی تعریف بیان کی گئی ہے جس کا مفہوم حسب ذیل ہے۔

"شادی کا مطلب وہ شادی ہے جو فریقین کے مذہبی عقائد (پرسنل لاء) کے مطابق ممنوع نہ ہو۔"

محمڈن لاء کی دفعہ 250 میں شادی (نکاح) کی تعریف کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ شادی ایک ایسا معاہدہ ہے جس کا بنیادی مقصد افزائش نسل اور اولاد کو قانونی شناخت مہیا کرنا ہے۔

عبدالقادر بنام سلیمہ کیس (1886) اور خورشید بی بی بنام محمد علی کیس (1967) میں قرار دیا گیا ہے کہ مسلمانوں میں شادی یا نکاح ایک معاہدہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس میں حقوق و فرائض معاہدہ تکمیل پذیر ہونے کے ساتھ ہی شروع ہو جاتے ہیں۔ نکاح سے پہلے کی کسی شرط پر اس کا انحصار ضروری نہیں ہوتا۔ (1967ء سپریم کورٹ صفحہ 97)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی کتاب اسلام کے قوانین نکاح و طلاق میں شادی یا نکاح کی تعریف کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ افزائش نسل اور اولاد کو قانونی تحفظ مہیا کرنے کے علاوہ اسلامی اصولوں کے مطابق اعلیٰ معاشرتی اخلاقیات کا فروغ، بدکاری اور آزاد جنسی تعلقات کی روک تھام کے ساتھ ساتھ خواتین کی عزت و عفت کا تحفظ اور باہمی محبت اور ہم آہنگی کا فروغ بھی شامل ہے۔ (لاز آف میرج اینڈ ڈائی وورس ان اسلام۔ مولانا مودودی، باب 2 صفحات 6 تا 9)

نکاح کرنے کی اہلیت

اسلام اور قانون میں اس سوال کا جواب بھی موجود ہے کہ کون شادی کرنے کا اہل قرار پاتا ہے اور کون نہیں۔ نکاح کرنے یا شادی کی اہلیت کو مختصراً یوں بیان کیا گیا

ہے۔

(ا) ہر عاقل مسلمان جو بالغ ہو چکا ہو' وہ قانونی طور پر شادی کرنے کا اہل ہو جاتا ہے۔

(ب) نابالغ بچے اور دماغی امراض کے بالغ مریض اپنے والدین یا ولی کی وساطت سے شادی کر سکتے ہیں۔

(ج) کوئی بھی شخص کسی عاقل اور بالغ مسلمان کی شادی یا نکاح' اس کی رضامندی کے خلاف' کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ ایسی شادی قانون کی نگاہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

نکاح کے لوازمات

کوئی شخص اپنی پسند کی شادی کر رہا ہو یا اہل خاندان کی مرضی سے' ان کے زیر اہتمام' شادی سر انجام پا رہی ہو' ہر حال میں ایک قانونی شادی کے لئے نکاح کے لوازمات پورے ہونا لازمی ہیں۔ اگر یہ لوازمات پورے نہ ہوں تو نکاح یا تو فاسد قرار پائے گا یا سرے سے باطل تصور ہو گا۔ یہ لوازمات حسب ذیل ہیں۔

(1) ایک فریق بذات خود یا اپنے نمائندے کے ذریعے نکاح کی تجویز پیش کرے۔

(2) دوسرا فریق بذات خود یا اپنے کسی نمائندے کے ذریعے نکاح کی اس تجویز کو قبول کرے۔

(3) مندرجہ بالا نکاح کی پیش کش اور قبولیت کا مرحلہ اس طرح طے کیا جائے کہ اس مرحلے پر دو مرد گواہ موقع پر نہ صرف موجود ہوں اور اس ایجاب و قبول کو اپنے کانوں سے سنیں۔ اگر دو مرد گواہ موجود نہ ہوں تو ایک مرد اور دو خواتین کی موجودگی ضروری ہو گی۔

(4) نکاح یا شادی کے گواہ بھی عاقل' بالغ اور مسلمان ہونا ضروری ہیں۔

(5) شادی کی تجویز اور اس کی قبولیت دونوں مرحلے ایک ہی نشست میں طے ہونا چاہئیں۔ اگر شادی کی تجویز ایک وقت میں دی جائے اور اس کو کسی اور وقت

میں قبول کیا جائے تو قانون ایسے نکاح کو جائز نکاح تسلیم نہیں کرتا۔

(6) نکاح کے موقع پر کوئی تحریر لکھنا یا کوئی مذہبی تقریب یا رسم قطعاً ضروری نہیں۔ (دفعہ 252، محمڈن لاء)

نکاح کے موقع پر صرف ایک نکاح خوان اور ایک گواہ کی موجودگی کافی نہیں ہے۔ ہائی کورٹ نے باغ علی بنام امینہ وغیرہ کیس میں قرار دیا کہ اس طرح نہ تو دو گواہوں کی موجودگی کی شرط پوری ہوتی ہے اور نہ ہی ایسے نکاح کو جائز اور قانونی نکاح تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ (پی ایل ڈی 1968ء، لاہور 1216)

البتہ اہل فقہ جعفریہ (شیعہ) گواہوں کی عدم موجودگی میں ہونے والے نکاح کو بھی جائز اور قانونی تصور کرتے ہیں۔

نکاح کے کلمات

ہدایہ میں بیان ہوا ہے کہ ایک جائز نکاح کی تجویز اور اس کی قبولیت یعنی ایجاب و قبول کے لئے محض مندرجہ ذیل کلمات کافی ہیں اور ان کی ادائیگی سے فریقین قانونی طور پر میاں بیوی بن جاتے ہیں۔

پہلا فریق: "میں آپ سے شادی کرنے کا اعلان اور اقرار کرتا ہوں"۔

دوسرا فریق: "میں اس پر اپنی رضامندی کا اظہار کرتا ہوں"۔

نکاح کا ثبوت

اگر نکاح کے بعد جلد ہی نکاح خوان کا انتقال ہو جائے اور نکاح کی تحریر بھی موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں نکاح کے گواہوں کی شہادت ہی سے نکاح کا انعقاد ثابت کیا جا سکتا ہے۔ یہ ثابت کرنا ضروری نہیں ہو گا کہ ایجاب و قبول کے وقت دلہن اور دولہا نے کن الفاظ میں ایجاب و قبول کیا تھا۔ ((1956) 35 پٹنہ ہائی کورٹ صفحات 93-98-99)

اگر نکاح خواں بھی دستیاب نہ ہو اور نکاح کے گواہ بھی موجود نہ ہوں تو لڑکی لڑکے کی بطور میاں بیوی یکجا رہائش اور طویل عرصہ تک اکٹھے زندگی گزارنے کا ثبوت

بھی جائز نکاح کے اثبات میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ البتہ ڈھاکہ ہائی کورٹ نے قرار دیا کہ جائز نکاح اور میاں بیوی کا باہمی رشتہ ثابت کرنے کے لئے ایک سال سے کم عرصہ تک اکٹھے رہنے کی شہادت کو کافی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ (پی ایل ڈی 1969ء' ڈھاکہ صفحہ 47)

ایک اور کیس میں قرار دیا گیا ہے کہ شادی کے ثبوت کے لئے ضروری نہیں کہ ہر حال میں تحریری نکاح نامہ ثبوت کے طور پر پیش کیا جائے۔ اگر نکاح کو باقاعدہ رجسٹر نہیں کروایا گیا تو تحریری اور رجسٹرڈ نکاح نامے کی عدم موجودگی میں نکاح کے دو گواہوں کے ذریعے شادی کی تکمیل کو ثابت کیا جا سکتا ہے۔ یا پھر لڑکی اور لڑکا دونوں عدالت کے روبرو اپنی باہمی شادی کی تصدیق کر دیں اور ایک دوسرے کو میاں بیوی تسلیم کر لیں تو یہی بات نکاح کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ (1995 پاکستان کرمنل لاء جرنل 1657)

نکاح کی معاشرتی اہمیت

صائمہ کیس میں جسٹس احسان الحق چوہدری صاحب نے اپنے فیصلے میں اسلامی نقطہ نظر سے نکاح کی سماجی حیثیت پر روشنی ڈالتے ہوئے زور دیا کہ نکاح نہ صرف یہ کہ دو افراد کو ملاتا ہے بلکہ یہ دو خاندانوں کو بھی آپس میں ملاتا ہے۔ اسلام حقوق و فرائض کی تقسیم جنس کی بنیاد پر نہیں بلکہ خاندان کے اندر ذمہ داریوں کے حوالے سے کرتا ہے۔ خاندان کے افراد کے فرائض اور ذمہ داریاں' ان کے مرد' عورت' لڑکا' لڑکی یا نر مادہ کی نسبت سے نہیں بلکہ خاندان میں ان کے مرتبے کی نسبت سے تفویض ہوتی ہیں اور جنس سے قطع نظر باپ' ماں' شوہر' بیوی' بہن اور بھائی کے رشتوں کے حوالے سے ان کا تعین کیا جاتا ہے۔ اس لئے ازدواجی تعلقات کے نتیجے میں جنم لینے والے حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین محض جنسی تعلق کے حوالے سے کرنا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں قرین انصاف نہیں ہے۔ (پیرا نمبر 22)

اپنے بچوں کی شادیاں کروانا والدین کے فرائض میں شامل ہے اور لڑکیوں کی

شادی کا فرض تو خصوصی حیثیت رکھتا ہے۔۔۔ اور صرف اسلام ہی نہیں تمام مذاہب اس اصول کو تسلیم کرتے ہیں۔ (پیرا نمبر 23)

نکاح بطور سنت رسولؐ

اسلام نکاح کو سنت رسول مقبول ﷺ قرار دیتا ہے۔ اور سنت کی اہمیت اس قول سے واضح ہو جاتی ہے کہ جو شخص سنت نبوی ترک کر دیتا ہے وہ مسلمان کہلانے کا حقدار نہیں رہتا۔ (پیرا نمبر 27)

نکاح کا اسلامی اور قانونی طریقہ

سید فرمان علی بنام عابد علی کیس میں لاہور ہائی کورٹ نے قرار دیا کہ اسلام نے نکاح اور شادی کے طریقے کو بالکل واضح طور پر بیان کیا ہے۔ نکاح کا ایک خاص وصف یہ ہے کہ اسے ایک کھلے اجتماع میں منعقد کیا جائے جہاں شادی کے گواہ بھی موجود ہوں اور ایجاب و قبول کا مرحلہ بھی اسلامی اصولوں کے مطابق طے کیا جائے۔ مزید یہ کہ نکاح خواں یہ اطمینان کرے کہ گواہوں کی تقرری اور ایجاب و قبول درست طریقے سے ہوا ہے یا نہیں۔ اور یہ کہ نکاح کے انعقاد کی اطلاع محفل میں موجود سب لوگوں کو ہو گئی ہے یا نہیں۔ بہتر اور پسندیدہ طریقہ یہی ہے کہ وہ لڑکی جس کا نکاح مقصود ہے بالغ ہو چکی ہو اور اس کا نکاح قابل اعتماد گواہوں کی موجودگی میں اس کے ولی یا اس کے اپنے نامزد کردہ وکیل کے ذریعے عمل میں آئے۔ (پی ایل ڈی 1995 لاہور 364)

نکاح اور دلہن کا وکیل

پسند کی شادی میں کیونکہ عام طور پر دلہن کے رشتہ دار اور خاص کر ماں باپ شریک نہیں ہوتے اس لئے ظاہر ہے کہ نکاح کے وقت نکاح کا جو فارم پر کیا جاتا ہے اس پر بھی لڑکی کے اہل خاندان کی نمائندگی سرے سے نہیں ہوتی۔۔۔ یا پھر شاذ شاذ ہی دور نزدیک کے کسی ایک آدھ رشتہ دار کا نام بطور گواہ یا بطور وکیل دلہن، اس

فارم پر دکھائی دے جاتا ہے۔ صائمہ کیس میں بھی نکاح فارم پر کرنے کے حوالے سے پسند کی شادی کے موقعہ پر دلہن کے رشتہ داروں کی موجودگی کے مسئلہ کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

جسٹس احسان الحق چوہدری نے اپنے تحریر کردہ فیصلہ کے پیرا نمبر 44 اور 45 میں قرار دیا ہے کہ مسلم فیملی لاز آرڈیننس 1961ء کے تحت ضروری ہے کہ نکاح کے وقت ایک وضع کردہ فارم پر کیا جائے تاکہ اس کے مطابق نکاح کی رجسٹریشن ہو سکے۔ اس نکاح فارم کے کالم نمبر1 کے سیریل نمبر7 پر دلہن کے وکیل کے تقرر کا خانہ بنایا گیا ہے اور اس تقرری کے لئے دو گواہوں کو بھی ضروری قرار دیا گیا ہے۔

آرڈیننس میں لفظ وکیل کی تشریح نہیں کی گئی ہے۔ بہرحال وکیل کی تقرری کا واضح مقصد یہی دکھائی دیتا ہے کہ (ہماری معاشرتی اقدار کے پیش نظر) چونکہ دلہن بذات خود نکاح کی محفل میں نہیں بیٹھتی اس لئے اس کی غیر حاضری میں کوئی مرد اس محفل میں اسکی نمائندگی کر سکے۔ وکیل عام طور پر اس فریق کا نمائندہ ہوتا ہے جو اسے مقرر کرتا ہے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ دلہن کا وکیل کوئی ایسا شخص نہیں ہو سکتا جسے گلی سے پکڑ کر لے آیا جائے (یعنی جس کا دلہن سے کوئی تعلق نہ ہو یا دلہن کے لئے اجنبی ہو) اس لئے کہ دلہن کے وکیل کو (دلہن سے ملنا' اس کی رائے لینا اور) اس کی جانب سے ایجاب و قبول کا فریضہ سرانجام دینا ہوتا ہے۔ فاضل جج نے قرار دیا کہ اسلامی اصولوں اور معاشرے کے رواج کے پیش نظر' یہ ضروری ہے کہ جو شخص دلہن کا وکیل مقرر ہو وہ نہ صرف دلہن کا رشتہ دار ہو بلکہ رشتہ دار بھی ایسا جس کی شادی اسلامی قانون کے مطابق اس دلہن کے ساتھ ممنوع ہو' جس کی جانب سے بطور وکیل وہ نکاح کی تکمیل میں حصہ لے رہا ہے۔ یعنی لڑکی کے چچا' ماموں' بہنوئی' بھائی اور باپ وغیرہ دلہن کے وکیل بننے کے اہل ٹھہرتے ہیں۔ لہٰذا کوئی اجنبی شخص نکاح میں دلہن کی نمائندگی نہیں کر سکتا۔ گو کہ لڑکی پر یہ پابندی نہیں ہے کہ ایجاب و قبول میں بذات خود اور اپنی زبانی حصہ نہ لے لیکن عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ خواتین کے (شرم و حیا اور) احترام کے پیش نظر خود دلہن کے بجائے اس کا نامزد کردہ وکیل اس کی

جانب سے ہوتا ہے۔ یہ ہمارے معاشرتی پروٹوکول یعنی آداب کا لازمی حصہ ہے۔ دلہن کو یہ حق اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ یہ دلہن اور دولہا دونوں کے خاندانوں کے لئے عزت کا باعث ہے۔

فاضل جج نے یہ بھی قرار دیا کہ وکیل کے تقرر کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ وکیل اور وکیل کے گواہان کی تقرری سے دباؤ' سختی' مجبوری یا دھوکہ دہی سے دلہن کی رضامندی حاصل کر لینا خارج از امکان ہو جاتا ہے۔

اس امر کو مدنظر رکھنا اسلامی اصولوں کے عین مطابق ہو گا۔ بصورت دیگر کرائے کے گواہ اور کرائے کے وکیل حاصل کر کے شادیاں رچا لینا بالکل آسان ہو جائے گا۔ اور شادیاں کروانے والے ادارے گواہ اور وکیل مہیا کرنے کا کاروبار شروع کر دیں گے جیسا کہ رینو نویدا (امریکہ) میں ہو رہا ہے۔ وہاں ہوتا یہ ہے کہ پسند کی شادی کا خواہشمند جوڑا' شادیاں کروانے والے کسی بھی ادارے کو مطلوبہ فیس ادا کر دیتا ہے۔ اس کے بعد یہ ادارہ ان کی شادی' شادی کے لباس' شادی کے گواہوں اور نکاح خوان تک کا انتظام از خود کر دیتا ہے۔

گواہان نکاح کی اہمیت

اسلام اس بات پر زور دیتا ہے کہ نکاح' گواہوں کی موجودگی میں انعقاد پذیر ہو۔ اس طرح کا نکاح اس نکاح سے واضح طور پر مختلف ہوتا ہے جو چوری چھپے کیا جائے۔
(پی ایل ڈی 1995 لاہور 364)

گواہوں کی عدم موجودگی میں ہونے والے نکاح کو باقاعدہ شادی کا درجہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ قانون کی نگاہ میں یہ شادی ایک فاسد نکاح کی حیثیت رکھتی ہے۔
(1990 اسلامک لا جرنل 70 جلد 39)

جہاں تک یہ سوال ہے کہ کون شخص گواہ ہو سکتا ہے اور کون نہیں ـــــ اسلامی قانون اس سلسلے میں کوئی خاص تخصیص نہیں کرتا۔ نکاح کے موقع پر موجود لوگوں میں سے کوئی بھی دو آدمی فریقین کی طرف سے بطور گواہ نامزد کئے جا سکتے ہیں۔

[(1992) 66 انڈین کیسز 404 (لاہور)]

نکاح خواں کا قانونی فریضہ

ہائی کورٹ نے شاہ دین وغیرہ بنام سرکار کیس میں نکاح خوانوں کی غفلت اور لاپرواہی کا نوٹس لیا اور انہیں تنبیہہ کی کہ ان کا صرف یہ فرض نہیں ہے کہ وہ نکاح نامے کے فارم پر کر دیں اور فارغ ہو جائیں بلکہ انہیں اس بات کا احساس ہونا چاہئے کہ وہ ایک مقدس فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ وراثت' نان نفقہ' حق مہر' طلاق' اولاد کے جائز ہونے یا نہ ہونے اور اسی طرح کے بے شمار معاملات کا تعلق براہ راست نکاح کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ سب معاملات نکاح ہی سے جنم لیتے ہیں۔ لہٰذا نکاح خواں پر لازم ہے کہ وہ ذمہ داری کا مظاہرہ کرے اور نکاح کے انعقاد سے قبل مناسب طور پر معلومات حاصل کر کے یہ اطمینان کرے کہ

(ا) فریقین نکاح کرنے کے اہل ہیں اور نکاح کا مطلب اور حقوق و فرائض سے آگاہ ہیں۔

(ب) ان کی عمریں کیا ہیں؟

(ج) کیا وہ اپنی آزادانہ مرضی اور خوشی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔

(د) کیا ان پر کسی طرف سے کوئی دباؤ تو نہیں ڈالا جا رہا ہے۔

نکاح خواں پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائے کہ لڑکی لڑکا اور شادی کے دیگر گواہوں کے دستخط اس کی موجودگی میں اس کے سامنے ثبت کئے جائیں۔

نکاح خواں پر یہ بھی لازمی ہے کہ وہ نکاح رجسٹر کو اچھی طرح سے سنبھال کر رکھے' اس پر تمام اندراجات مکمل کرے اور مسلم فیملی قوانین سے اچھی طرح آگاہ رہے۔ (پی ایل ڈی 1995 لاہور 364- پی ایل ڈی 1984 لاہور 113)

خفیہ نکاح کی قانونی حیثیت

پسند کی شادی کے حوالے سے ایک معاملہ جو ہمیشہ بحث طلب رہا ہے وہ یہ ہے

کہ کیا شادی کے موقع پر لڑکی لڑکے کے رشتہ داروں' عزیزوں' دوستوں وغیرہ کا اکٹھا ہونا ضروری ہے یا نہیں --- اور اگر اس موقع پر کھلے اجتماع کے بجائے تین چار آدمی موجود ہوں یا صرف گواہ ہی موجود ہوں تو ایسے نکاح کی قانونی حیثیت کیا ہوگی۔ اس سوال کا جائزہ لیتے ہوئے صائمہ کیس میں جسٹس احسان الحق چوہدری نے اپنے فیصلے کے پیرا نمبر 45 میں نکاح کے موقع پر اجتماع کو ضروری قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ نکاح کی اطلاع کو عام کرنے کے لئے اجتماع لازمی ہے اور اسے خفیہ رکھنا مناسب نہیں ہے۔ فاضل جج نے اس ضمن میں امام مالکؒ کا حوالہ بھی دیا ہے۔ امام مالکؒ کا قول ہے کہ نکاح کا اعلان' نکاح کے بنیادی لوازم میں سے ہے کیونکہ یہ اعلان ہی زناء اور نکاح میں حد فاصل قائم کرتا ہے۔ اس قول ہی کی بنیاد پر انہوں نے یہ حکم لگایا تھا کہ اگر نکاح کے گواہوں کو یہ کہا جائے کہ وہ نکاح کو خفیہ رکھیں تو ایسا نکاح غیر قانونی (باطل) ہو گا۔

ایک اور کیس میں ہائی کورٹ نے قرار دیا کہ خفیہ طریقہ سے نکاح کیا جائے تو اس سے نکاح کا تقدس زائل ہو جاتا ہے۔ (پی ایل ڈی 1995 لاہور 364)

نکاح رجسٹرار کے بغیر نکاح

قانون کے مطابق ضروری ہے کہ حکومت کی طرف سے مقرر کردہ نکاح رجسٹرار ہی نکاح کی تکمیل کرے لیکن اگر نکاح رجسٹرار کے علاوہ کوئی دوسرا شخص نکاح پڑھوا دیتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ نکاح کے بعد حکومت کا جاری کردہ فارم II پر کرکے مقررہ رجسٹریشن فیس کے ہمراہ نکاح رجسٹرار کو بھجوائے۔ فارم II اور فیس موصول ہو جانے کے بعد نکاح رجسٹرار مذکورہ نکاح کو اپنے رجسٹر میں درج کر لے گا۔ اس اندراج کے بعد قانون کی نظر میں اس نکاح کو وہی درجہ حاصل ہو جائے گا جو رجسٹرڈ نکاح رجسٹرار کے ہاتھوں تکمیل پذیر ہونے والے نکاح کو حاصل ہوتا ہے۔ (ویسٹ پاکستان رولز۔ ضابطہ نمبر 11)

لالچ یا دباؤ کے تحت نکاح

اسلام اپنی مرضی اور خوشی سے تو نکاح کی اجازت دیتا ہے لیکن کسی طرح کے لالچ یا دباؤ یا خوف کے تحت نکاح کی اجازت نہیں دیتا۔ (پی ایل ڈی 1995 لاہور 364)

نکاح اور مولوی کی موجودگی

دیکھنے میں آیا ہے کہ پسند کی اکثر شادیاں مولوی کے بغیر سرانجام پاتی ہیں۔ اور ایسے نکاح کی محفل میں کوئی روایتی مولوی یا قاضی موجود نہیں ہوتا۔ ناگپور ہائی کورٹ بھارت نے ایسے ہی ایک کیس میں قرار دیا کہ اسلامی قانون کے تحت یہ ہرگز ضروری نہیں کہ نکاح کے وقت کوئی مولوی یا قاضی ضرور موجود ہو۔ اس موقع پر صرف ایک ایسا شخص کافی ہے جسے حکومت نے نکاح رجسٹر کرنے کے لئے باضابطہ طور پر مقرر کر رکھا ہو۔ (اے آئی آر (22) 1935 ناگپور صفحہ 123) (156 انڈین کیسز صفحہ 90)

تحریری نکاح کی اہمیت

اگر نکاح نامہ اور شادی کا ثبوت قانون کے مطابق تحریری صورت میں موجود ہو تو ایسی شادی کو جعلی یا غلط ثابت کرنے کے لئے لائی جانے والی زبانی شہادت کوئی قانونی حیثیت نہیں رکھتی لہٰذا اسے وزن نہیں دیا جا سکتا۔ (پی ایل ڈی 1992 کراچی صفحہ 46)

نکاح اور رائج الوقت قوانین

پاکستان میں فیملی قوانین کے نفاذ کا مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ شادی سے متعلق رائج تمام قوانین کو قرآن اور سنت کے مطابق بنایا جا سکے لہٰذا کوئی بھی شادی جو شریعت محمدیؐ کے اصولوں کے مطابق سرانجام پائی ہو وہ قانون کی نظر میں ایک درست اور صحیح شادی تصور ہوگی اور اس معاملے میں یہ اعتراض قابل قبول نہیں ہو سکتا کہ شادی، ازدواجی قوانین یا آرڈیننس میں بتائے گئے طریقہ کے عین مطابق عمل میں نہیں لائی گئی اس لئے اس شادی کو غیر قانونی قرار دیا جائے۔ جسٹس محمد رفیق تارڑ، جسٹس پیر محمد کرم شاہ اور جسٹس محمد تقی عثمانی پر مشتمل فل بنچ نے یہ بھی قرار

دیا کہ اگر شادی بیاہ سے متعلق رائج الوقت قوانین اور قرآن و سنت میں بیان کردہ اصولوں میں کہیں ٹکراؤ سامنے آئے تو رائج الوقت قوانین کو نظر انداز کرکے شرعی طریقہ کار اور اصولوں کو اپنایا جائے کیونکہ مسلم فیملی لاز آرڈیننس 1961ء کے ابتدائیہ میں یہ بات واضح طور پر بیان کردی گئی ہے کہ اس آرڈیننس کے نفاذ کا مقصد ازدواجی ضوابط کو شریعت کے مطابق بنانا ہے۔ اس لئے اگر کوئی شادی شریعت کے مطابق درست طو پر سرانجام پائی ہے لیکن رائج الوقت قوانین یا آرڈیننس کی بعض دفعات سے مطابقت نہیں رکھتی تو بھی ایسی شادی جائز اور قانونی قرار پائے گی۔ (1992 سپریم کورٹ متعلی ریویو صفحہ 1273_ اللہ داد بنام مختار وغیرہ)

عدت کے دوران پسند کی شادی

ایک شوہر سے طلاق حاصل کرنے کے بعد دوسرے شخص سے پسند کی شادی کے لئے ضروری ہے کہ مطلقہ عورت عدت کی مدت مکمل کرے۔ عدت کی مدت کے دوران دوسری شادی کر لینا شریعت کے مطابق درست نہیں ہے۔ لہٰذا اسلامی قانونی حلقوں نے ایسی شادی کو باطل قرار دیا ہے۔ یعنی یہ کہا گیا ہے کہ ایسی شادی سرے سے قرار ہی نہیں پاتی لہٰذا ایسی شادی کو قانون کی نظر میں جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ نہ ہی اسے ایک قانونی شادی کہا جا سکتا ہے۔ (1992 سپریم کورٹ منتھلی ریویو 1273' اللہ داد بنام مختار وغیرہ)

عدت کی کم از کم مدت

عدت کی مدت عام طور پر نوے دن تصور کی جاتی ہے۔ قرآن کی روشنی میں دیکھا جائے تو 90 دن کا نظریہ درست نہیں ہے۔ قرآن میں تین حیض گزرنے کا حکم ہے۔ ضروری نہیں کہ تین حیض ہمیشہ نوے دن ہی میں مکمل ہوں۔ حنفی ماہرین فقہ کے نزدیک حیض کا کم از کم دورانیہ تین دن ہوتا ہے اور طہر کا کم از کم دورانیہ پندرہ

دن ہوتا ہے۔ اس اصول کی روشنی میں دیکھا جائے تو عدت کی کم از کم مدت نوے دن کے بجائے انتالیس یوم ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ وہ مدت ہے جس میں ایک عورت حیض کے تین دور اور طہر کے دو وقفوں سے گزر سکتی ہے۔ اس لئے پہلے شوہر سے طلاق کے انتالیس دن کے بعد اگر کوئی خاتون دوسری شادی کرلے تو ایسی شادی کو جائز اور قانونی قرار دیا جا سکتا ہے بشرطیکہ ان انتالیس ایام میں وہ حیض کے تین اور طہر کے دو وقفوں کو گزار چکی ہو۔ (1992ء سپریم کورٹ منتھلی ریویو صفحہ 1273-1282)

شادی کی قانونی عمر

ملکی اور اسلامی قانون کے مطابق صرف وہ لڑکا یا لڑکی شادی کر سکتے ہیں جو بالغ ہو چکے ہوں۔ جہاں تک بلوغت اور عمر کا تعلق ہے اس کے مطابق قانون بلوغت کے تحت کسی بھی انسان کو صرف اس وقت بالغ قرار دیا جا سکتا ہے جب اس کی عمر 21 سال ہو چکی ہو۔ یہی وہ عمر ہے جس میں ایک پاکستانی ووٹ ڈالنے کا اہل بھی قرار پاتا ہے۔ لیکن جہاں تک دوسرے معاملات کا تعلق ہے' قانون لڑکے کو 18 سال اور لڑکی کو 16 سال کی عمر میں بالغ اور شادی کرنے کا اہل ٹھہراتا ہے۔ مسلم عائلی قوانین کی دفعہ اس عمر میں مزید کمی کی گنجائش بھی پیدا کرتی ہے۔ اس دفعہ کے مطابق ایک پاکستانی لڑکی 16 برس کی عمر یا بلوغت کی نشانیاں ظاہر ہو جانے پر شادی کر سکتی ہے جبکہ ایک پاکستانی لڑکا 18 سال کی عمر یا بلوغت کی نشانیاں ظاہر ہو جانے پر ایسا کر سکتا ہے۔
نجم النساء بنام سراج الدین نامی ایک دعوٰی میں عدالت عالیہ نے 1939 واضح طور پر قرار دیا ہے کہ جونہی لڑکی بلوغت کی عمر کو پہنچتی ہے وہ شادی کے معاملے میں (Major) یعنی خود مختار ہو جاتی ہے۔ (1990 اسلامک لاء جرنل صفحہ 70' جلد 1939)
یہاں اس سے بہت قبل 1864ء میں ہونے والے ایک اہم فیصلے کا ذکر کرنا بھی

دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ محمد ابراہیم بن محمد بن محمد سید پارکار بنام غلام احمد بن محمد سعید روغی وغیرہ میں بمبئی ہائی کورٹ کے ڈبل بنچ نے امام ابوحنیفہ کی سند سے قرار دیا کہ اگر کوئی مسلمان لڑکی بالغ ہو جائے اور اس کے والد یا ولی نے اس کی شادی نہ کی ہو تو وہ بلوغت کے بعد شادی کے معاملے میں والد یا ولی کی رضامندی کے بغیر بھی شادی کرنے کا اختیار رکھتی ہے۔ چاہے یہ شادی اس کے والد یا ولی کی خواہشات کے برعکس ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن شافعی مکتب فکر میں کوئی کنواری لڑکی بلوغت کے بعد بھی اپنے والد یا ولی کی اجازت یا مرضی کے بغیر شادی نہیں کر سکتی۔ البتہ ایسا کرنے کے لئے اسے شافعی مکتب فکر کو خیر باد کہنا ہو گا۔ (حوالہ : 236 'Hcrocj (1864)Bombay

بعد ازاں 1970ء میں کیرالہ ہائی کورٹ نے کمال ابوبکر بنام و ٹنگٹ ماراکار کیس میں قرار دیا کہ کسی بالغ شافعی لڑکی کی شادی کو محض اس وجہ سے غیر قانونی قرار نہیں دیا جا سکتا کہ اس نے شادی سے قبل اپنے والد یا ولی کی اجازت حاصل نہیں کی تھی۔ اگر والد اس کی جائز خواہشات کو ماننے سے انکار کر دے تو وہ کسی بھی دوسرے رشتہ دار کو چاہے' وہ دور ہی کا رشتہ دار کیوں نہ ہو' اپنا ولی مقرر کر کے اس کی اجازت سے اپنی پسند کی شادی کر سکتی ہے۔(A.Kerala'277 (70)

نابالغ لڑکی اور پسند کی شادی

بعض اوقات والدین نابالغ لڑکیوں کی شادی کر دیتے ہیں۔ قانون نابالغ لڑکی کے والد یا ولی کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ اس کی شادی اپنی مرضی سے کر دے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ لڑکی کو بھی یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر اسے یہ شادی پسند نہ ہو تو بالغ ہوتے ہی اس شادی کو مسترد کر دے۔ اس استرداد کے لئے اسے کسی عدالت میں جانے کی بھی ضرورت نہیں ہوگی محض اس کا اعلان کر دینا کافی ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہی لڑکی اپنی پسند کی دوسری شادی کرنے میں آزاد ہو گی۔

اس سلسلے میں ہائی کورٹ نے یہ قرار دیا ہے کہ اگر نابالغ لڑکی کے اپنے شوہر سے بطور بیوی ازدواجی تعلقات قائم بھی ہو چکے ہوں تو بھی بالغ ہونے پر اس شادی کو ختم کر دینے کا اختیار اسے حاصل رہتا ہے جسے وہ بالغ ہوتے ہی اور بعض حالات میں اٹھارہ سال کی عمر تک استعمال کر سکتی ہے۔ اس کا قانونی جواز یہ ہے کہ کوئی بھی لڑکی نابالغ حالت میں کوئی قانونی فیصلہ کرنے یا کوئی معاہدہ کرنے یا اسے توڑنے کی اہل نہیں ہوتی۔ نابالغ عمر میں شوہر کے قائم کردہ جنسی تعلقات کے بارے میں بھی یہی سمجھا جائے گا کہ وہ نابالغ لڑکی کی قانونی رضامندی اور مرضی کے بغیر قائم کئے گئے تھے۔ (پی

ایل ڈی 1949 لاہور صفحہ 75)

اگر لڑکی کی عمر سولہ برس سے زائد ہو گئی ہو اور اس کی مرضی کے بغیر نابلوغت میں کیے گئے نکاح کی وجہ سے خاوند زبردستی ازدواجی تعلقات برقرار رکھے ہوئے ہو لیکن لڑکی اس شادی پر راضی نہ ہو تو وہ اٹھارہ سال کی عمر تک اس شادی کو غیر قانونی قرار دے کر ختم کر سکتی ہے۔ (پی ایل ڈی 1962 آزاد جموں کشمیر ہائی کورٹ صفحہ 7)

پشاور ہائی کورٹ نے قرار دیا ہے کہ اگر نابالغ لڑکی بالغ ہونے کے بعد بھی بطور بیوی خاوند کے گھر میں رہائش پذیر ہے تو بظاہر حالات سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنی مرضی اور پسند سے بطور بیوی وہاں مقیم ہے۔ اس کے لئے لڑکی کی واضح رضامندی ثابت کرنا ضروری ہو گا۔ محض ازدواجی تعلقات کی موجودگی کو اس کی رضامندی ثابت کرنے کے لئے کافی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ قانون ان حالات میں لڑکی کی مدد اور داد رسی کے لئے متحرک ہو سکتا ہے۔ (پی ایل ڈی 1965 پشاور صفحہ 1)

مذکورہ بالا فیصلوں سے ظاہر ہے کہ نابالغ لڑکی شادی شدہ ہونے کے باوجود بالغ ہوتے ہی اپنی شادی کو مسترد کر سکتی ہے اور اس کے بعد اپنی پسند کی دوسری شادی کرنے کا اختیار رکھتی ہے۔

یہ تو تھا شادی شدہ نابالغ لڑکی کا معاملہ ـــ اب ہم کنواری یا نابالغ لڑکی کے حقوق کا جائزہ لیتے ہیں۔

1938ء میں کلکتہ ہائی کورٹ نے ایک ایسے ہی کیس میں قرار دیا کہ اگر ایک نابالغ کنواری لڑکی اپنی مرضی سے اپنی پسند کی شادی کر لیتی ہے اور اس کی عمر اتنی ہے کہ وہ خود کوئی رائے قائم کر سکتی ہے تو ایسی شادی کو بنیادی طور پر غیر قانونی قرار نہیں دیا جا سکتا البتہ نابالغ لڑکی کا یہ حق برقرار رہے گا کہ وہ اگر مناسب سمجھے تو بالغ ہو کر اپنی ہی پسند سے کی ہوئی شادی کو مسترد کر دے۔ (اے آئی آر (V 25) 1938ء کلکتہ صفحہ 71)

اسی طرح اگر کوئی نابالغ لڑکی اپنی شادی کے لئے کسی شخص کو وکیل مقرر کرتی ہے اور اس وکیل کے ذریعے نکاح سرانجام پاتا ہے لیکن بالغ ہونے پر اس شادی کو

جاری نہ رکھنے کا فیصلہ کرتی ہے تو یہ امراس کے فیصلے میں حائل نہیں ہو سکتا کہ اس نے شادی کے وقت باقاعدہ ایک عاقل بالغ شخص کو وکیل مقرر کیا تھا جس نے اس کی پسند کے مطابق شادی کی تصدیق کی تھی- نابالغ لڑکی کا مقرر کردہ وکیل بھی قانون کی نگاہ میں اسی طرح کوئی وقعت نہیں رکھتا جیسے نابلوغت میں کئے ہوئے معاہدات وغیرہ' چاہے اس نے اپنی مرضی سے انہیں طے کیا ہو- (اے آئی آر (V 21) 1934ء الہ آباد 589)

1988ء میں ایک نابالغ لڑکی کے کیس کا فیصلہ کرتے ہوئے عدالت عالیہ نے قرار دیا کہ ایسی لڑکی سے شادی کرنا جو ابھی بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچی اور ابھی تک نابالغہ ہے' جائز نہیں ہے- قانون کی نظر میں نابالغ لڑکی کے ساتھ ایسی شادی سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتی لہٰذا ایسی شادی کو قانونی اور جائز شادی نہیں کہا جا سکتا-(1988ء سی ایل سی صفحہ 113)

❁

کیا لڑکی کا صاحب الرائے ہونا ضروری ہے

یوں تو عدالتوں نے عام طور پر یہی قرار دیا ہے کہ شادی کے وقت لڑکی کا بالغ اور عاقل ہونا ضروری ہے۔ لیکن بعض اوقات اعلیٰ عدالتوں نے عاقل کی تشریح کرتے ہوئے قرار دیا ہے کہ عاقل کے ضمن میں محض یہ دیکھنا کافی نہیں ہے کہ لڑکی فاتر العقل یعنی دیوانی یا پاگل تو نہیں۔۔۔۔ بلکہ اس امر کی تسلی بھی ضروری ہے کہ وہ لڑکی جو اپنی پسند کی شادی کر رہی ہے وہ صاحب الرائے بھی ہے یا نہیں۔ مطلب یہ کہ کہیں وہ جذبات کے زیر اثر یا کسی کی چکنی چپڑی باتوں یا لالچ میں آکر تو ماں باپ کی مرضی کے خلاف شادی پر رضامند تو نہیں ہوئی۔۔۔۔ اور کیا اس نے یہ فیصلہ پوری سوچ و بچار کے بعد غیر جانبداری سے کیا ہے۔

ایک شادی شدہ معذور شخص نے آٹھویں جماعت کی ایک طالبہ سے دوستی کر لی اور بعد ازاں بلوغت پر اس سے خفیہ شادی کر لی جبکہ وہ پہلے بھی دو شادیاں کر چکا تھا۔ جب ماں باپ کا دائر کردہ دعویٰ ہائی کورٹ پہنچا تو ہائی کورٹ نے قرار دیا کہ اگرچہ لڑکی معذور شخص کے ساتھ شادی کو تسلیم کرتی ہے لیکن چونکہ وہ ذہنی طور پر ابھی اتنی بڑی نہیں ہوئی کہ اسے ایک صاحب الرائے لڑکی قرار دیا جائے اور ان کے

معذور شخص کے ساتھ شادی کے تنہا فیصلے کو درست تسلیم کر لیا جائے لہٰذا ایسی شادی کو جائز اور قانونی شادی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (پی ایل ڈی 1995 لاہور 364)

اس سے بہت قبل 1937ء میں بھی ہائی کورٹ نے قرار دیا تھا کہ سوجھ بوجھ کی صلاحیت ایک جائز اور قانونی شادی کے لازمی عناصر میں شامل ہے۔ (1990 اسلامک لاء جرنل 25' جلد 1937)

پسند کی شادی کر لینے پر ایک اور ایسے ہی کیس میں والدین کی طرف سے لڑکی کے شوہر کے خلاف اغواء کا مقدمہ درج کروا دیا گیا۔ جب یہ کیس ہائی کورٹ پہنچا تو ہائی کورٹ نے قرار دیا کہ اس ثبوت کے بعد کہ شادی کے وقت لڑکی بالغ اور صاحب الرائے تھی اور یہ کہ اس نے یہ شادی اپنی آزادانہ مرضی اور ارادے سے کی ہے اس جوڑے کے خلاف قائم مقدمہ منسوخ ہوجانا چاہئے۔ (این ایل آر 1995 ایس ڈی 175)

لاہور ہائی کورٹ نے محمد خالد جمشید بنام ملک گودھا کیس میں قرار دیا کہ یہ درست ہے کہ کوئی بھی سوئی جورس (صاحب الرائے) لڑکی خود اپنی مرضی اور پسند سے شادی کر سکتی ہے۔ لیکن ایسے حالات میں ضروری ہے کہ وہ خاصی بالغ ہو چکی ہو (یعنی بلوغت کے بالکل ابتدائی عرصہ میں نہ ہو) اور وہ اپنی پسند کی شادی تسلیم شدہ معاشرتی روایات کے مطابق کرے۔ مطلب یہ کہ اس کا فیصلہ اپنی سماجی اقدار کا آئینہ دار ہو۔ (پی ایل ڈی 1996' لاہور 462)

اسی ضمن میں سپریم کورٹ کے فل بنچ نے جس میں معروف مذہبی سکالر جسٹس پیر محمد کرم شاہ بھی شامل تھے' ایسے ہی ایک کیس میں قرار دیا کہ لڑکی کا اغواء ہونا' جنسی عمل کا نشانہ بننا' ناجائز دباؤ یا اثر کی کوئی شہادت موجود نہیں ہے۔ اس کے برعکس لڑکی کو لڑکے کے ساتھ متعدد مرتبہ گھومتے ہوئے بھی پایا گیا ہے۔ لڑکی اور لڑکا دونوں صاحب الرائے اور بالغ ہیں اور انہوں نے شادی کر لی ہے لہٰذا لڑکے کے خلاف قائم مقدمات ختم کئے جاتے ہیں۔ (1997' سپریم کورٹ منتھلی ریویو 548)

❁

پسند کی شادی اور والدین یا ولی کی اجازت

شادی اور خاص کر پسند کی شادی میں والدین یا ولی کا کیا کردار ہے اور اس کی قانونی اہمیت اور اثرات کیا ہیں؟ یہ سوالات اسلامی فقہ اور عدلیہ میں ہمیشہ زیر بحث اور حل طلب رہے ہیں اور ماہرین فقہ اور عدالتیں مقدمات کے حالات و واقعات کی روشنی میں مختلف اوقات میں مختلف فیصلے کرتی رہی ہیں۔ 1979ء کے دوران پاکستان میں حدود قوانین کا نفاذ کیا گیا۔ جن کے تحت اغواء اور زناء کے جرائم پر اسلامی سزاؤں کا آغاز ہوا۔ ان قوانین کے نفاذ سے فریقین کی رضامندی سے قائم ہونے والے جنسی تعلقات کو بھی سخت سزا کا حقدار قرار دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پسند کی شادی کرنے والے جوڑوں کے خلاف والدین اور رشتہ داروں نے ناراضگی کے سبب اغواء اور زناء کے مقدمات قائم کرنا شروع کر دیئے۔ اور اس طرح سے یہ سوال بہت اہمیت اختیار کر گیا کہ والدین کی رضامندی اور پسند کی شادی کے درمیان کیا قانونی رشتہ ہے اور اس کی شرعی اہمیت کیا ہے۔ کیا اسلام والدین کی رضامندی کے بغیر منعقد ہونے والی شادیوں کو جائز اور قانونی تصور کرتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں بہت سے عدالتی فیصلوں اور حوالوں کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے۔

مثال کے طور پر کوڈ آف اسلامک لاز کے مطابق حنفی اور شیعہ مسالک کے بالغ لڑکا اور لڑکی اپنے والدین یا ولی کی اجازت نہ ہونے کے باوجود اپنی پسند کی شادی کرنے کے اہل قرار پاتے ہیں۔ (کوڈ آف اسلامک لاز۔ 1993ـ شائع کردہ کشمیر لاء ٹائمز ٹمپل روڈ لاہور۔ صفحہ 236)

قریبی ولی کے ہوتے ہوئے بھی اگر دور کا کوئی رشتہ دار بطور ولی کسی لڑکی یا لڑکے کی شادی کر دے تو ایسی شادی اس وقت درست اور قانونی حیثیت اختیار کرے گی جب بعد ازاں قریبی ولی ایسی شادی کی تصدیق کر دے یا اجازت دے دے۔ یہ اصول صرف اسی صورت میں لاگو ہو گا جب لڑکی یا لڑکے کی مذکورہ بالا دونوں ولیوں سے زیادہ ولایت کا کوئی اور حقدار موجود نہ ہو۔ (1990 اسلام اسلامک لاء جرنل 75 (جلد 1940))

لاہور ہائی کورٹ کے جسٹس احمد سعید اعوان نے رضیہ بی بی بنام ایس ایچ او کیس میں قرار دیا کہ نوجوان لڑکیوں کا والدین کی مرضی کے خلاف شادی کر لینا خاندانی اور اخلاقی اقدار کے منافی تو ہو سکتا ہے لیکن قانونی طور پر ایسی شادیوں کو ناجائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ پسند کی شادی کرنے والے جوڑوں کو محض اس بنیاد پر کہ ان کا یہ اقدام اخلاقی اقدار کے خلاف ہے انہیں شادی جیسے جائز اور قیمتی حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ (این ایل آر 1995 ایس ڈی 175)

1996ء میں جسٹس عبدالحفیظ چیمہ نے پسند کی شادی سے متعلق دو رٹ درخواستوں عائشہ اعجاز بنام ایس ایچ او اور شبینہ ظفر بنام ایس ایچ او وغیرہ میں قرار دیا کہ قرآن اور سنت کی روشنی میں کسی بھی مسلمان لڑکی کے لئے ضروری ہے کہ اس کے نکاح میں اس کے ولی کی مرضی اور اجازت بھی شامل ہو۔ ولی کی مرضی کے بغیر کی جانے والی شادی اسلامی قانون کی نگاہ میں باطل قرار پاتی ہے۔

انھوں نے اس سلسلے میں 1940ء کے ایک فیصلے کا حوالہ بھی دیا ہے جس میں قرار دیا گیا ہے کہ اسلامی قانون کے مطابق یہ ضروری ہے کہ دولہا یا اس کی طرف سے کوئی دوسرا اور دلہن یا اس کی طرف سے کوئی دوسرا شخص ایک ہی نشست میں

شادی پر رضا مندی کا اظہار کریں اور اس موقع پر دو بالغ گواہ بھی موجود ہوں۔ (اے آئی آر 1940_ پشاور صفحہ 2-3)

جسٹس عبدالحفیظ چیمہ صاحب نے اپنے فیصلے میں طویل بحث کے بعد قرار دیا کہ ایک مسلمان لڑکی اپنے ولی کی اجازت اور مرضی کے بغیر اپنی پسند کی شادی کرنے کی اہل نہیں ہے اور اگر وہ ولی کی مرضی اور اجازت کے بغیر شادی کر لیتی ہے تو ایسی شادی قانون کی نگاہ میں باطل اور غیر قانونی ہو گی۔ اپنی اس رولنگ کے بعد جسٹس صاحب نے تیرہ سال اور 9 ماہ کی عائشہ اعجاز اور 19 سالہ شبینہ ظفر کی پسند کی شادیوں کو غیر قانونی قرار دے دیا۔ اور ان دونوں جوڑوں کے خلاف قائم حدود آرڈیننس کے تحت زناء کے مقدمات کو درست قرار دیتے ہوئے کہا کہ پولیس ان کے خلاف جاری تفتیش کو مکمل کرنے اور حدود کیسوں کو اپنے منطقی انجام تک پہنچانے میں آزاد ہے۔

اس فیصلے کے کچھ ہی ماہ بعد جسٹس چیمہ کے فیصلے کے بالکل برعکس نجمہ طارق لو میرج کیس میں لاہور ہائی کورٹ کے معزز جج مسٹر ایس ایم زبیر نے قرار دیا کہ بعض راسخ العقیدہ مذہبی دانشوروں کی رائے ہے کہ لڑکی اپنے والدین کی مرضی کے بغیر شادی نہیں کر سکتی لیکن آئین کی دفعہ 25 اور 35 کا جائزہ لیا جائے تو لڑکی کا اپنے سرپرستوں (یعنی ولی) پر انحصار کا معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا عاقل اور بالغ لڑکی اپنی پسند سے شادی کرنے میں آزاد ہے۔ (روزنامہ نوائے وقت۔ 6 مارچ 1997ء)

ابھی حال ہی میں پاکستان میں اس مسئلے پر صائمہ کیس کے حوالے سے زبردست علمی بحث کا آغاز ہوا کہ ایک مسلمان لڑکی کی شادی میں ولی یا والدین کا کیا کردار ہے۔ اس سلسلے میں کٹر اسلامی حلقوں کی طرف سے شد و مد کے ساتھ یہ استدلال پیش کیا گیا کہ ایک کنواری مسلمان لڑکی اپنے ولی کی اجازت اور مرضی کے خلاف اپنی پسند سے شادی نہیں کر سکتی اور اگر وہ ایسا کرتی ہے تو نہ صرف یہ کہ ایسی شادی سرے سے منعقد ہی نہ ہو گی بلکہ ایسی لڑکی کے خلاف حدود آرڈیننس کے تحت زناء کاری کا مقدمہ بھی درج ہونا عین قرین انصاف ہے اور مزید یہ کہ ایسی شادی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد بھی قانونی اولاد تصور نہیں کی جا سکتی۔ صائمہ کیس کی سماعت کے لئے

جسٹس احسان الحق چوہدری صاحب، جسٹس خلیل ردے صاحب اور جسٹس ملک محمد قیوم صاحب پر مشتمل ایک فل بنچ تشکیل دیا گیا جس نے خاصے طویل عرصہ تک کیس کی سماعت کے بعد اپنا فیصلہ محفوظ کر لیا۔ کیس کی سماعت کے دوران دونوں جانب سے اس قدر زیادہ مواد اپنے اپنے استدلال کی حمایت میں پیش کیا گیا کہ اسے جانچنے پرکھنے میں فل بنچ کے معزز جج صاحبان تقریباً" گیارہ ماہ تک مصروف رہے۔ اس کیس کی سماعت کے دوران ولی کے مسئلہ پر فیصل ہونے والے کچھ مقدمات کا حوالہ بھی دیا گیا۔

جسٹس احسان الحق چوہدری نے اپنے 72 صفحات پر مشتمل فیصلے میں قرار دیا ہے کہ گھر سے بھاگ کر والدین کی مرضی کے بغیر پسند کی شادی کرنے والی لڑکیوں اور لڑکوں کی شادی کو جائز اور قانونی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن چونکہ صائمہ کیس کی سماعت ایک فل بنچ کر رہا تھا۔ جس میں جسٹس احسان الحق چوہدری کے علاوہ جسٹس خلیل الرحمٰن ردے اور جسٹس ملک محمد قیوم بھی تھے۔ فل بنچ کا اصول یہ ہوتا ہے کہ جس جانب ججوں کی اکثریت اپنی رائے کا اظہار کرے وہی رائے اصل اور موثر فیصلے کے طور پر قبول کی جاتی ہے اور قانونی اثر رکھتی ہے۔ صائمہ کیس میں باقی دونوں معزز ججوں نے جسٹس احسان الحق چوہدری کی حتمی رائے سے بوجہ اختلاف کیا اور قرار دیا کہ پسند کی شادی کو ولی کی اجازت سے مشروط کرنا اسلامی فقہ سے ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے پسند کی شادی کو غیر قانونی یا ناجائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔

صائمہ کیس میں تین میں سے ایک جج جسٹس احسان الحق چوہدری نے باقی دونوں جج صاحبان کی اس رائے سے اختلاف کیا کہ ایک بالغ مسلمان لڑکی اپنے ولی کی مرضی کے بغیر بھی شادی کر سکتی ہے۔ جسٹس احسان الحق چوہدری نے اس سلسلے میں قرآن حکیم کی سورہ بقرہ کا حوالہ دیتے ہوئے قرار دیا کہ اس آیت کے حکم سے صاف ظاہر ہے کہ اس میں خاندان کے مردوں یا باپ کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اور اس سے لڑکی کے از خود شادی کر لینے کے اختیار کی نفی ہوتی ہے—— (پیرا 31)

مسٹر جسٹس احسان الحق چوہدری صاحب نے اس کے بعد سورہ نور سے بھی استدلال کیا اور قرار دیا کہ شادیوں کے بارے میں اس سورہ میں بھی مردوں ہی سے

مخاطب کرکے ہدایت جاری کی گئی ہے' عورتوں کو مخاطب نہیں کیا گیا ہے ــــ (پیرا 33)

لیکن اس کے ساتھ فاضل جج نے یہ بھی قرار دیا کہ لڑکی کی مرضی کے بغیر شادی کو اسلام تسلیم نہیں کرتا اور لڑکی پر دباؤ ڈال کر حاصل کردہ رضامندی اسلامی تعلیمات کے منافی ہے ــــ (پیرا 36)

لہذا اگر ولی لڑکی کا نکاح اپنی مرضی سے کر دے لیکن لڑکی کو یہ شادی پسند نہ ہو تو نکاح کے فوراً بعد جتنی جلدی ہو سکے اسے اپنی ناپسندیدگی اور نامنظوری کا اعلان کرنا ہو گا۔ اگر وہ اس اعلان لاتعلقی میں تاخیر کرتی ہے تو نکاح پر اس کی ناپسندیدگی کا معاملہ مشکوک ہو جائے گا ــــ (پیرا 37)

جسٹس احسان الحق چوہدری نے یہ قرار دیتے ہوئے کہ ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کو اسلام جائز نکاح قرار نہیں دیتا' حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت کردہ ایک حدیث کو بنیاد بنایا جو حسب ذیل ہے اور جس کا ذکر معارف الحدیث (مولانا محمد منظور نعمانی) میں ملتا ہے۔

"ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا۔ زمانہ جاہلیت میں نکاح (یعنی مرد عورت کے جوڑ' ملاپ اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد سے متعلق) چار طریقے رائج تھے۔ ان میں سے ایک طریقہ تو وہ تھا جو (اصولی طور پر) آج بھی رواج میں ہے کہ ایک آدمی کی طرف سے دوسرے آدمی کو اس کی بیٹی یا اس کے زیر ولایت لڑکی کے لئے نکاح کا پیام دیا جاتا ہے وہ مناسب مہر مقرر کرکے اس لڑکی کا نکاح اس آدمی سے کر دیتا ہے" ــــ پھر جب حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوئے تو انہوں نے باقی طریقوں کو یکسر مٹا دیا اور نکاح و شادی کا وہی طریقہ رہ گیا جو اب جاری ہے۔

فاضل جج نے مذکورہ بالا حدیث سے استدلال کرتے ہوئے قرار دیا ہے کہ مسلمانوں میں شادی کا یہی طریقہ تسلیم شدہ اور زیر کار رہا ہے کہ شادی کا خواہشمند لڑکی کے والد تک اپنا پیغام پہنچاتا ہے اور مہر طے کرنے کے بعد نکاح تکمیل پذیر ہوتا ہے۔ میرے خیال میں یہی طریقہ قرآن اور حدیث میں بیان کردہ اصولوں سے مطابقت

رکھتا ہے اور لڑکی از خود شادی نہیں کر سکتی۔ ہر شخص جانتا ہے کہ مسلم معاشروں میں آج تک یہی رواج چلا آ رہا ہے اور برصغیر پاک و ہند میں بھی یہی طرز عمل رائج ہے۔ ولی کے بغیر نکاح کی اجازت نہ ہونے کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت درکار ہو گا۔ لہٰذا لڑکیوں کو والدین کی مرضی سے ہٹ کر از خود شادی کا اختیار دے دینا' معاشرتی اقدار کو مضبوط بنانے کے بجائے انہیں تباہ کرنے اور علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں ایک مادر پدر آزاد معاشرے کی جانب پیش قدمی کے مترادف ہو گا ــــ (پیرا 39)

قومی جج ہونے کے باوصف ہم شہری اخلاقیات کے محافظ بھی ٹھہرتے ہیں اور ویسے بھی اصول قانون یہی ہوتا ہے کہ معاشرے کی اخلاقی اقدار کو تسلیم کیا جائے ــــ (پیرا نمبر41)

جسٹس ملک محمد قیوم نے اپنے فیصلہ میں تحریر کیا کہ وہ جسٹس احسان الحق چوہدری کی اس فکر میں شامل ہیں اور ان سے متفق ہیں کہ معاشرے میں اسلامی اقدار کی حفاظت اور خاندان کے تقدس کے ساتھ وابستہ روایات کی حفاظت اشد ضروری ہے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ گھروں سے بھاگ کر کی جانے والی شادیاں ہماری معاشرتی قدروں سے تضاد رکھتی ہیں اور ان کی مذمت کی جانی چاہیے لیکن جہاں تک ولی کی اجازت کے بغیر ہونے والی شادی کا سوال ہے میں اپنی پوری کوشش کے باوجود کوئی ایسا اصول تلاش نہیں کر سکا جس کی بنیاد پر یہ قرار دیا جا سکے کہ ایک عاقل بالغ لڑکی کا' اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح ناجائز اور غیر قانونی قرار پاتا ہے۔ البتہ اس نوعیت کے مقدمات کا فیصلہ کرتے ہوئے عدالتیں ان حالات کو زیر غور لا سکتی ہیں جن کے تحت متنازعہ شادی عمل میں آئی۔ اور مذکورہ حالات کی جانچ پڑتال کے بعد پسند کی شادی کے حق میں یا اس کے مخالف اپنی صوابدید استعمال کر سکتی ہیں۔

اس کے علاوہ وفاقی شرعی عدالت امتیاز احمد کیس میں اسی نوعیت کے ایک معاملے میں تمام فقہی اور قانونی پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کر چکی ہے کہ ایک بالغ مسلمان لڑکی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر شادی کرنے کا قانونی حق رکھتی

ہے۔ پاکستان کے آئین کے آرٹیکل 203 جی جی کے تحت وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ ہائی کورٹ کے لئے بھی حتمی حیثیت رکھتا ہے۔ مزید یہ کہ وفاقی شرعی عدالت کے جن معزز ججوں نے یہ فیصلہ کیا ہے ان کی علمیت' اہلیت اور اسلامی فقہ میں قابلیت بھی مسلمہ ہے۔ ویسے بھی وفاقی شرعی عدالت کی تخلیق کا بنیادی مقصد بھی یہی ہے کہ وہ اسلامی اصولوں کی روشنی میں معاملات کی تشریح کرے لہٰذا موجودہ سوال جیسے اہم مسئلہ پر میں وفاقی شرعی عدالت کے فیصلہ کی پیروی کرتے ہوئے قرار دیتا ہوں کہ ولی کی اجازت کے بغیر ایک مسلمان عاقل بالغ لڑکی اگر نکاح کر لے تو وہ جائز اور قانونی ہو گا۔ (صائمہ کیس 1997_ جسٹس ملک قیوم۔ پیرا جات نمبر1 تا 5)

ولی کا اختیار اور وفاقی شرعی عدالت

1981ء میں ایڈیشنل سیشن جج ضلع اٹک نے جرم زناء (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء کے تحت محمد امتیاز اور اس کے ساتھ پسند کی شادی کرنے والی مساۃ محمد جان دونوں کو بالترتیب سات سال اور پانچ سال قید اور تیس تیس کوڑوں کی سزا معہ جرمانہ سنائی۔ سزا کے بنیادی محرکات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ مساۃ محمد جان نے محمد امتیاز کے ساتھ اپنے والد یعنی ولی کی اجازت کے بغیر شادی کی تھی۔ ایڈیشنل سیشن جج نے قرار دیا کہ چونکہ یہ شادی ولی کی رضامندی کے بغیر ہوئی تھی اس لئے اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں تھی۔ لہٰذا دونوں جرم زناء کے مرتکب قرار پاتے ہیں۔

محمد امتیاز اور محمد جان نے اس فیصلے کے خلاف وفاقی شرعی عدالت میں اپیل دائر کی۔ جس کی سماعت سات ججوں پر مشتمل فل بنچ نے کی۔ اس بنچ کے چیئرمین جسٹس آفتاب حسین تھے جبکہ دوسرے ججوں میں جسٹس کریم اللہ درانی' جسٹس محمد صدیق' جسٹس ظہور الحق' جسٹس پیر کرم شاہ' جسٹس ملک غلام علی اور جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی شامل تھے۔ شرعی عدالت نے ولی کے اختیار سے متعلق اس بات کی نشاندہی کی کہ اگرچہ پہلے بھی وفاقی شرعی عدالت یہ قرار دے چکی ہے کہ عاقلُ بالغ مسلم لڑکی ولی کی مرضی کے بغیر بھی جائز طور پر شادی کر سکتی ہے لیکن اس کیس میں یہ نکتہ چونکہ

ایک مرتبہ پھر اٹھایا جا رہا ہے اس لئے عدالت چاہتی ہے کہ اس نکتے کا تفصیلی جائزہ لے کر اس سلسلے میں اختلاف رائے کا ہمیشہ کے لئے حتمی فیصلہ کر دیا جائے۔ لہٰذا عدالت نے قرآن' حدیث' تمام فقہی نقطہ ہائے نظر اور مباحث کا جائزہ لے کر قرار دیا کہ حنفی فقہ کے مطابق بالغ عاقل لڑکی اگر ولی کی اجازت کے بغیر اپنی پسند کی شادی کر لے تو وہ جائز اور قانونی ہو گی۔ شافعی مکتب فکر میں اگرچہ ولی کی رضامندی کو ضروری قرار دیا گیا ہے لیکن محمڈن لاء (ایف ڈی ملا) کے مطابق شافعیوں کے ہاں بھی اصل رضامندی خود لڑکی ہی کی ہوتی ہے جبکہ ولی صرف اس کی رضامندی کا اعلان کرتا ہے۔ ولی درحقیقت اپنا اختیار لڑکی سے حاصل کرتا ہے لہٰذا اختیار دینے والی ایک ولی کے بجائے کسی دوسرے ولی کو بھی یہ اختیار دے سکتی ہے' چاہے وہ اس کا دور کا کوئی رشتہ ہی کیوں نہ ہو۔

فاضل عدالت نے اس فیصلے کے آخر میں ایک اور اہم نکتے کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ لڑکی ولی کی مرضی کے بغیر شادی نہیں کر سکتی لیکن اس کے باوجود ایک لڑکی اور لڑکا نیک نیتی سے ولی کی مرضی کے بغیر شادی کر لیتے ہیں اور ایک دوسرے کو میاں بیوی تسلیم کر لیتے ہیں تو انہیں شک کا فائدہ ملنا چاہئے۔ ہمارا فوجداری قانون اور خود اسلام اس اصول کو تسلیم کرتے ہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ زیر بحث کیس جیسے معاملات میں پسند کی شادی کرنے والوں کو شک کا فائدہ نہ دیا جائے۔ (پی ایل ڈی 1981 ایف ایس سی صفحہ 308)

جسٹس احسان الحق چوہدری نے صائمہ کیس کے فیصلے میں محمد امتیاز وغیرہ بنام سرکار کیس کے حوالے سے بحث کرتے ہوئے اس سوال کا جائزہ لیا ہے کہ وفاقی شرعی عدالت کا یہ فیصلہ کہ لڑکی' ولی کی رضا مندی کے بغیر' شادی کا اختیار رکھتی ہے' ہائی کورٹ کے لئے حتمی سند کی حیثیت رکھتا ہے یا نہیں۔ جسٹس احسان الحق چوہدری نے قرار دیا کہ وفاقی شرعی عدالت دو طرح کے اختیارات رکھتی ہے۔ اول' آئینی اختیار ـــــ اور دوئم' کسی قانون کے تحت حاصل اختیار ـــــ اگر آئین کے باب تین اے پارٹ VII اور آئین کے آرٹیکل 203 ڈی ڈی کی ذیلی دفعہ (3) کو ملا کر پڑھا

جائے تو بات واضح ہوتی ہے کہ کسی فوجداری عدالت کے فیصلے کے خلاف اپیل پر وفاقی شرعی عدالت اگر کوئی فیصلہ سنائے تو ہائی کورٹ پر اس کی پیروی کی پابندی نہیں ہے۔ (پیرا نمبر 51)

صائمہ کیس جس میں جسٹس احسان الحق چوہدری نے مندرجہ بالا ریمارکس دیئے' ایک تین رکنی بنچ پر مشتمل تھا۔ بنچ کے باقی دو ارکان جسٹس خلیل الرحمان ردے اور جسٹس ملک محمد قیوم نے جسٹس احسان الحق کے مندرجہ بالا استدلال سے اتفاق نہیں کیا۔ اور قرار دیا کہ اپیل' نگرانی اور آئینی اختیار کے تحت زیر سماعت آنے والے تمام کیسوں میں دیئے گئے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے ہائی کورٹس کے لئے حتمی سند کی حیثیت رکھتے ہیں اور اگر کسی نکتے پر وفاقی شرعی عدالت اپنی رائے قائم کر چکی ہے تو ہائی کورٹ کو اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ اسے کلی طور پر نظر انداز کر کے اسی نکتے پر وفاقی شرعی عدالت سے متضاد رائے قائم کرے۔

تین میں سے دو معزز ججوں نے چونکہ اس امر کے حق میں رائے دی کہ وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ ہائی کورٹ کے لئے سند کی حیثیت رکھتا ہے اور فوجداری مقدمات میں بھی دیئے گئے شرعی عدالت کے فیصلے ہائی کورٹس کے لئے حتمی ہونے کی سند رکھتے ہیں لہذا بنچ کا اکثریتی فیصلہ یہی ٹھہرا کہ ایک مسلمان بالغ اور عاقل لڑکی اپنے ولی کی رضامندی اور اجازت کے بغیر اپنی پسند کی شادی کر لینے کا قانونی اختیار رکھتی ہے اور ایسی شادی کو محض اس بنیاد پر ناجائز اور غیر قانونی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہی وہ شرعی اور قانونی اصول ہے جو محمد امتیاز وغیرہ بنام سرکار کیس میں وفاقی شرعی عدالت نے طے کیا تھا۔

ولی کی ناراضگی کے باوجود بیوہ یا مطلقہ کی پسند کی شادی کا مسئلہ

خالص فقہی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو شافعی اور مالکی فقہ سمیت تمام مکاتب فکر میں بطور خاص اس بات پر اتفاق نظر آتا ہے کہ کوئی بھی عاقل بالغ مسلمان بیوہ یا مطلقہ عورت کو اپنے ولی کی رضامندی کے بغیر شادی کر لینے کا اختیار حاصل ہے۔ لہذا

اگر وہ ولی سے اجازت لئے بغیر یا اس کی ناپسندیدگی کے باوجود اپنی پسند کی شادی کر لیتی ہے تو وہ ایسا کرنے میں نہ صرف یہ کہ آزاد ہو گی بلکہ اس کی شادی بھی ہر طرح سے جائز اور قانونی متصور ہو گی۔

ولی کی ناراضگی' کنواری مسلمان لڑکی اور پسند کی شادی

حنفیہ اور شیعہ فقہا کے نزدیک کوئی بھی عاقل اور بالغ کنواری لڑکی ولی کے اجازت کے بغیر اپنی پسند کی شادی کر سکتی ہے۔ البتہ شافعی اور مالکی فقہ کے نزدیک کنواری مسلمان لڑکی کو ولی کی اجازت اور رضامندی کے بغیر پسند کی شادی کر لینے کا اختیار نہیں ہے۔ شافعی اور مالکی فقہ میں جہاں لڑکی کو ولی کی اجازت کا پابند کیا گیا ہے وہاں ولی پر بھی یہ پابندی ہے کہ اگر لڑکی رضامند نہ ہو تو ولی کو بھی یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ صرف اپنی پسند کے لڑکے سے اپنی بیٹی کی شادی کر دے۔

ولی کی ناراضگی کے باوجود پسند کی شادی۔ کیسے؟

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایسی صورت حال پیدا ہو جائے کہ لڑکی اپنی پسند کی شادی کرنا چاہے لیکن اس کا ولی اس کی پسند سے متفق نہ ہو یا وہ لڑکی کی شادی کسی ایسی جگہ طے کرنا چاہے' جہاں لڑکی کی رضامندی نہ ہو تو اس مسئلے کا قانونی حل کیا ہو گا۔ کیا لڑکی کو گھر سے بھاگ کر یہ شادی کرنا ہو گی۔ ہائی کورٹ نے اس مسئلے پر تفصیلی بحث کی ہے اور قرار دیا ہے کہ اگرچہ مسلم فیملی لاز میں اس مسئلے پر کوئی واضح لائحہ عمل نہیں دیا گیا لیکن ہر ایسی لڑکی یا اس کے کسی بھی نمائندے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ متعلقہ ڈسٹرکٹ جج کی عدالت میں درخواست گزارے جس میں تمام صورت حال بیان کرے اور بتائے کہ ولی اسے پسند کی شادی کی اجازت نہیں دے رہا --- یا وہ اس کی پسند اور مرضی کے برعکس اس کی شادی صرف اپنی پسند کے مطابق کرنے پر تلا ہوا ہے۔ لیکن وہ اس پر تیار نہیں ہے۔

لڑکی کی طرف سے درخواست موصول ہونے پر ڈسٹرکٹ جج فریقین کو طلب کرے گا اور روزانہ بنیاد پر سماعت کرکے اس مسئلہ کو حل کرے گا۔ سماعت کے

دوران وہ لڑکی کو دارالامان میں قیام کی ہدایت کرے گا۔ یا پھر کسی ایسے محرم رشتہ دار کے گھر بھیج دے گا جو احکامات اسلامی کے تحت خود اس لڑکی سے شادی کا مجاز نہ ہو۔ اس صورت میں رشتہ دار کا انتخاب لڑکی کی مرضی کے مطابق کیا جائے گا۔

اگر ڈسٹرکٹ جج اتفاق سے مسلمان نہ ہو تو وہ لڑکی کی درخواست کی خود سماعت نہیں کرے گا۔ یہ اس درخواست کو اپنے ماتحت سب سے سینئر مسلمان ایڈیشنل سیشن جج کے پاس سماعت اور کارروائی کے لئے بھیج دے گا۔

لڑکی کی طرف سے دائر کی جانے والی ایسی درخواست کا کوئی خاص طریقہء تحریر کرنا مناسب نہیں۔ لڑکی جس انداز میں چاہے درخواست دائر کر سکتی ہے۔ صرف یہ ضروری ہے کہ جو بات وہ کہنا چاہتی ہے وہ عدالت تک پہنچ جائے۔

لڑکی درخواست پر فیصلہ کرتے ہوئے جج بطور ولی فرائض سرانجام دے گا اور تمام حالات و واقعات کی روشنی میں شریعت اسلامی اور مسلم معاشرہ کی روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے فیصلہ کرے گا۔ (صائمہ کیس 1997_ فیصلہ جسٹس احسان الحق چوہدری۔ پیرا نمبر50)

ولی اور فقہ اسلامی

ولی کی مرضی اور اجازت کے بغیر لڑکی اپنی پسند کی شادی کر سکتی ہے یا نہیں؟ اس سوال کے جواب میں 1400 سال کی تاریخ فقہ میں جس قدر بھی مواد موجود تھا' تقریباً" سب کا سب عدالت کے سامنے لیا گیا۔ سارے مواد کی جانچ اور مطالعہ کے بعد عدالت عالیہ نے قرار دیا کہ مسلمان فقہا اور قانون دانوں کے نظریات اس سلسلے میں متفرق ہیں۔ جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

1- مالکی شافعی اور حنبلی مکتبہ فکر

امام مالک' امام شافعی اور امام حنبل اور اس سلسلوں سے تعلق رکھنے والے فقہا قرار دیتے ہیں کہ ایک عاقل بالغ کنواری لڑکی اگر اپنے ولی کی اجازت کے بغیر اپنی پسند سے شادی کر لے تو ایسی شادی ناجائز اور غیر قانونی ہو گی۔

2- حنفی اور شیعہ

امام ابو حنیفہؒ' ان کے پیروکار اور شیعہ حضرات کے نزدیک اگر عاقل اور بالغ لڑکا یا لڑکی ولی کی اجازت کے بغیر اپنی پسند کی شادی کر لیں تو ایسی شادی جائز اور قانونی ہو گی۔

3- احادیث

اس سلسلے میں جو احادیث بیان کی گئی ہیں ان میں سے ایک حضرت عائشہ کے حوالے سے ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر ہونے والی شادی ناجائز ہوتی ہے۔ اگر ایسے میاں بیوی کے درمیان جنسی رشتہ قائم ہو چکا ہو تو خاوند کو حق مہر ادا کرنا پڑے گا۔ تب وہ زناء کے مجرم نہیں ٹھہریں گے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے اگر شادی سرے سے غیر قانونی تھی تو پھر حق مہر کیسا۔

4- کفو میں شادی

کچھ فقہا کا خیال ہے کہ اگر ایسی شادی کفو میں کی گئی ہو یعنی خاوند خاندانی اور معاشی پس منظر میں بیوی کے ہم پلہ ہو اور حق مہر کی رقم مناسب ہو تو یہ شادی جائز اور قانونی ہو گی اور ولی کی اجازت کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔

5- حضرت عمر کا فیصلہ

حضرت عمرؓ کا فیصلہ بھی موجود ہے جس میں ایسی شادی پر لڑکی کو آپ نے سزا دی۔ لیکن ایسی کوئی شہادت یا ثبوت سامنے نہیں آیا کہ سزا کے بعد شادی کو منسوخ قرار دیا گیا یا فریقین کی شادی برقرار رکھی گئی۔

6- حضرت علی کے فیصلے

حضرت علیؓ کے دو فیصلے سامنے آئے جن میں دونوں جگہ آپ نے میاں بیوی کے

درمیان جنسی تعلق پیدا ہو جانے کے پیش نظر پسند کی شادیوں کو منسوخ نہیں کیا بلکہ جاری رہنے کے حق میں فیصلہ دیا۔

7- شرعی عدالت

وفاقی شرعی عدالت نے ایسے ہی ایک کیس میں قرار دیا کہ ایک بالغ مسلمان لڑکی اگر ولی کی رضامندی کے بغیر شادی کرلے تو یہ شادی جائز ہوگی۔ لہٰذا اس بنیاد پر شادی کو ناجائز قرار دینے اور لڑکی لڑکے کو سزا دینے کے ماتحت عدالت کے فیصلے کو مسترد کیا جاتا ہے۔ ایک مرد اور عورت اگر نیک نیتی کے ساتھ شادی کرلیں اور دل سے ایک دوسرے کو میاں بیوی تسلیم کرتے ہوں تو انہیں حدود آرڈیننس کے تحت سزا نہیں دی جا سکتی۔ (این ایل آر 1982' کرمنل ایف۔ ایس۔ سی۔ 617)

جسٹس عبدالحفیظ چیمہ کے فیصلہ (محمد اقبال بنام ایس ایچ او بٹالہ کالونی فیصل آباد) جس میں موصوف نے قرار دیا تھا کہ ولی کی اجازت کے بغیر ہونے والی شادی اسلامی قانون کی نظر میں جائز نہیں ہوتی اور صائمہ کیس میں تین ججوں کے متفق فیصلے کے خلاف' جس میں جسٹس احسان الحق چوہدری نے ولی کی رضا مندی کے بغیر منعقد ہونے والی شادی کو ناجائز قرار دیا تھا جبکہ باقی دو جج صاحبان جسٹس خلیل الرحمان ردے صاحب اور جسٹس ملک محمد قیوم صاحب نے ولی کی مرضی کے بغیر عاقل بالغ مسلمان لڑکی کی شادی کے بارے میں قرار دیا تھا کہ ایسی شادی کو ناجائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مذکورہ بالا ہر دو فیصلوں کو سپریم کورٹ میں چیلنج کر دیا گیا۔ اپیلوں کو سماعت کے لئے منظور کرتے ہوئے سپریم کورٹ نے رائے ظاہر کی کہ ولی کی مرضی کے بغیر شادی کے جائز یا ناجائز ہونے کا سوال زبردست عوامی اہمیت کا حامل ہے لہٰذا ان اپیلوں کی سماعت کی اجازت دی جاتی ہے۔ (1997' ایس سی ایم آر 988)

8- اختلاف امہ

اس سلسلے میں جو احادیث پیش گئیں' ان کا صحیح ہونا متنازعہ ہے۔ پوری مسلمان امت' آئمہ کرام' قانون دانوں اور تمام اسلامی مکاتب فکر کا اس مسئلے پر اختلاف رائے بھی اس امر کا شاہد ہے کہ مذکورہ بالا احادیث کے صحیح ہونے کا معاملہ مشکوک ہے۔ (پیرا 49_ فیصلہ صائمہ کیس 1997_ جسٹس خلیل الرحمان)

شادی کی رجسٹریشن اور اسکے اثرات

شادی کی رجسٹریشن کروانا ضروری ہے۔ رجسٹریشن کی عدم موجودگی شادی کے باقاعدہ انعقاد کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرتی ہے۔(پی ایل ڈی 1969' ڈھاکہ 47)

- شادی کی رجسٹریشن کروانا قانون کے تحت ایک ضروری امر قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اگر کسی وجہ سے رجسٹریشن نہ کروائی گئی ہو اور یہ ثبوت موجود ہو کہ شادی اسلامی طریقے سے واقعی سرانجام پائی تھی تو محض رجسٹریشن نہ ہونے کی وجہ سے شادی کو غیر قانونی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (پی ایل ڈی 1989' لاہور 200)
- رجسٹریشن کی شرائط پر پورا نہ اترنے والی شادی کے انعقاد کو غیر قانونی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (1981 سی ایل سی 463)
- البتہ رجسٹریشن نہ کروانے کی پاداش میں قانون کے مطابق متعلقہ افراد کو سزا سنائی جا سکتی ہے۔ شادی بہرحال برقرار رہے گی۔ (1987 ایم ایل ڈی 2070)
- شادی کی رجسٹریشن خالص اسلامی قانون کے نزدیک ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ اسلامی قانون کے مطابق گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول سے شادی تکمیل

پا جاتی ہے۔ رجسٹریشن نہ کروانا ایک الگ جرم ہے جس کی سزا متعلقہ افراد کو دی جا سکتی ہے۔ (این ایل آر 1987' ایس ڈی 545)

- زبانی نکاح باقاعدہ قانونی حیثیت رکھتا ہے اور محض رجسٹریشن نہ ہونے کی وجہ سے نکاح کے انعقاد سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ (پی ایل ڈی 1980' لاہور 791)

- سپریم کورٹ نے قرار دیا ہے کہ ماتحت عدالتوں کو اس سوال پر اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے اور اس بنیاد پر شادی ہونے یا نہ ہونے کا انحصار نہیں کرنا چاہئے کہ شادی کے انعقاد کو عائلی قوانین کے تحت باقاعدہ رجسٹر کروایا گیا تھا یا نہیں۔ بلکہ اس کے بجائے اسے شادی کے انعقاد یا عدم انعقاد کا فیصلہ کرتے ہوئے دیگر شہادتوں پر انحصار کرنا چاہئے۔ (این ایل آر 1984' ایس سی جے صفحہ 182)

شادی کی رجسٹریشن اور زنا کا الزام

اگر پسند کی شادی کرنے والے جوڑے پر شادی کا انکار کرتے ہوئے زناء کا کیس بنا دیا جائے اور اس کی بنیاد یہ بنائی جائے کہ زناء کا ثبوت یہ ہے کہ شادی قانون کے مطابق کسی جگہ رجسٹر نہیں کروائی گئی تھی تو عدالت عالیہ نے عبدالکریم بنام سرکار نامی مقدمے میں قرار دیا کہ صرف اس بنیاد پر کہ شادی رجسٹر نہیں ہوئی تھی' خود نکاح کو غیر قانونی اور غیر موثر نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ (این ایل آر 1987' ایس ڈی 545)

شادی کی رجسٹریشن اور شریعت

نکاح کا رجسٹر ہونا نہ تو شرعی طور پر نکاح کی صحت کے لئے ضروری ہے اور نہ مسلم فیملی لاز آرڈیننس 1961 کا یہ تقاضا ہے کہ رجسٹریشن کے بغیر نکاح صحیح تصور نہ کیا جائے۔ (پی ایل ڈی 1982' وفاقی شرعی عدالت صفحہ 42_ عارف حسین بنام سرکار)

رجسٹریشن کے بغیر مشکوک نکاح

نکاح کی باقاعدہ رجسٹریشن کے بغیر بھی گو کہ شادی کو قانونی حیثیت حاصل ہوتی ہے لیکن اگر یہ شادی مشکوک حالات میں سرانجام پائی ہو یا اس کے درست طور پر

منعقد ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں سخت شبہات موجود ہوں تو نکاح کا رجسٹر نہ ہونا بھی شادی کے منعقد نہ ہونے اور شادی زیر عمل آ جانے کے بارے میں شکوک و شبہات کی تقویت کا باعث بن سکتا ہے۔ (پی ایل ڈی 1989' لاہور 200)

اسی طرح اگر غیر رجسٹرڈ شدہ شادی کے انعقاد کا بہت ٹھوس ثبوت موجود نہ ہو تو محض یہ کہنا کہ شادی ہو چکی ہے اور زیر عمل آ چکی ہے' رجسٹریشن کی عدم موجودگی میں' ناکافی خیال کیا جائے گا۔ (پی ایل ڈی 1969' ڈھاکہ 47)

❁

سول میرج' عدالتی شادی یا ایک دھوکہ

پسند کی شادی کے خواہش مند بے شمار جوڑوں کو یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ عدالت میں جاکر سول میرج یا عدالتی شادی کر لیں۔ سول میرج کا مشورہ دینے والے اور اس سلسلے میں مدد مہیا کرنے کا دعویٰ کرنے والے افراد دراصل پسند کی شادی کے خواہشمندوں کو بے وقوف بنا کر دھوکہ دینے کے سوا کچھ نہیں کرتے اور اس دھوکے کے نتیجے میں ان سے لمبی چوڑی رقم سول میرج کے نام پر وصول کرکے ہضم کر جاتے ہیں۔

سول میرج کا قانون برصغیر پاک و ہند میں 1872ء سے رائج ہے جس کے تحت عدالت مرد اور عورت کو شادی کی اجازت دیتی ہے۔ یاد رہے کہ کوئی بھی عدالت خود بطور قاضی یا نکاح خوان کسی جوڑے کی شادی کروانے کی اہل نہیں ہے۔ اس حقیقت سے قطع نظر اگر سول میرج کے تصور کو چند لمحوں کے لئے تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کی ایک بنیادی اور لازمی شرط ایسی ہے جس پر کسی بھی مذہب کا کوئی بھی سچا پیروکار شاید ہی عمل کرنے پر آمادہ ہو سکے۔ سول میرج قانون کی وہ بنیادی اور لازمی شرط یہ ہے کہ عدالت میں سول میرج کے لئے درخواست دینے والا ہر فرد واضح طور پر

یہ اعلان کرے کہ اس کا دنیا کے کسی بھی مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مذاہب سے لاتعلقی کے اعلان کے بعد ہی کوئی فرد سول میرج کا اہل قرار پاتا ہے اور اس بات کی تصدیق کے لئے اسے سول میرج کی درخواست کے ساتھ ایک مصدقہ بیان بھی داخل کرنا پڑتا ہے جس میں وہ صاف اور غیر مبہم طور پر یہ تصدیق کرتا ہے کہ وہ مذہب سے کنارہ کش ہو چکا ہے یا کسی مذہب پر یقین نہیں رکھتا یا مکمل طور پر لامذہب عقیدے کا پیروکار ہے۔

عدالتی شادی اور ارتداد

فرض کیجئے کوئی مسلمان سول میرج کرنا چاہے تو پہلے اسے یہ واضح اعلان کرنا پڑے گا کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو چکا ہے۔ یعنی نہ تو وہ خدا کے وجود پر یقین رکھتا ہے اور نہ ہی حضرت محمد ﷺ کی رسالت اور تعلیمات پر اس کا ایمان ہے۔ اس اعلان اور بیان کے بعد اگر وہ سول میرج کرنے میں کامیاب بھی ہو جائے تو اس شادی کی سزا ظاہر ہے اسے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی عذاب الٰہی کی صورت میں برداشت کرنا پڑے گی۔ اسلامی فقہ کے تحت اسلام کے دائرے سے باہر نکلنے یا دین کو ترک کر دینے والا شخص مرتد کہلاتا ہے اور اسلام کے قانون میں مرتد کی متفقہ سزا موت ہے۔ باقی رہی آخرت کی بات ـــــ تو قیامت کے روز ایک عذاب ناک سزا مرتد کا مقدر بیان کی گئی ہے۔ سول میرج قانون میں شادی سے قبل مذہب سے لاتعلقی کے اعلان کا جواز یہ ہے کہ ہر مذہب میں شادی کے اپنے قوانین اور اصول و ضوابط موجود ہیں' جب تک ان پر عمل نہ کیا جائے کوئی جائز یا قانونی شادی وجود میں نہیں آتی۔ لہٰذا اگر کوئی شخص سول میرج کے لئے عدالت میں جائے اور اپنا کوئی مذہب بھی ظاہر کرے تو عدالت سول میرج کے تحت اپنے اختیار استعمال نہیں کر سکتی۔ اس کے برعکس درخواست دہندہ کو یہ ہدایت دینے کی پابند ہے کہ وہ اپنے مذہبی عائلی قوانین کے مطابق شادی کرے۔ ظاہر ہے کہ عدالت کو جب اس بات پر مطمئن کر دیا جائے کہ کسی مذہب کے عائلی قوانین درخواست دہندہ پر لاگو نہیں تب ہی وہ سول میرج کا

سرٹیفکیٹ جاری کر سکتی ہے۔ صائمہ کیس میں بھی اس حقیقت کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ سول میرج یا عدالتی شادی سے قبل شادی کے خواہشمندوں کے لئے مذہب سے لاتعلقی کا اعلان کرنا ایک ضروری شرط ہے۔ (فیصلہ مسٹر جسٹس احسان الحق چوہدری' پیرا نمبر (26

مجسٹریٹ کی عدالت میں لڑکی کا بیان

سول میرج کے نام پر پسند کی شادی کرنے والوں کو ایک دوسرا دھوکہ بھی دیا جاتا ہے' وہ یہ کہ پسند کی شادی کرنے کی خواہش مند لڑکی کو کسی مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کرکے اس کا ایک بیان دلوایا جاتا ہے جس میں لڑکی یہ اقرار کرتی ہے کہ وہ اپنی رضامندی اور خوشی سے اپنے والدین کے گھر کو چھوڑ آئی ہے۔ کیونکہ والدین اس پر ناجائز ظلم روا رکھے ہوئے تھے یا سوتیلی ماں نے اس کی زندگی اجیرن کر دی تھی یا اس کے والدین اس کی مرضی کے خلاف اس کی شادی زبردستی کسی بوڑھے دولت مند سے کروانے والے تھے وغیرہ' وغیرہ۔ اس کے بعد لڑکی کے بیان کا دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے جس میں وہ بیان کرتی ہے کہ وہ اپنے والدین کے گھر سے نکل کر فلاں شخص کے گھر میں پناہ لے چکی ہے یا یہ کہ دارالامان میں جانا چاہتی ہے اور یہ کہ وہ فلاں شخص سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ مجسٹریٹ کی عدالت سے اس بیان کی مصدقہ نقل حاصل کرنے کے بعد پسند کی شادی کے خواہش مند جوڑے کو "قانونی" مدد مہیا کرنے والے افراد انہیں کسی نکاح خوان کے پاس لے جاتے ہیں اور اجرت پر گواہوں کا بندوبست کرکے لڑکی لڑکے کا نکاح کروا دیتے ہیں یا پھر فریقین کے دوستوں کا نام شادی کے گواہ کے طور پر درج کرا دیتے ہیں اور اس سارے عمل کو عدالتی شادی کا نام دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ عدالتی شادی کے نام پر محض ایک دھوکہ ہوتا ہے۔ ایسی شادی کرنے والے جوڑے پر جب اغواء اور زناء وغیرہ کے مقدمات قائم ہو جاتے ہیں تو عدالتی شادی کے نام پر تیار کردہ مذکورہ بالا دستاویزات یا تو سرے سے ان کے کچھ کام نہیں آتیں یا اگر کوئی عدالت ان کا نوٹس لے بھی لے تو اسے پہلے شک ہی کی نگاہ سے

دیکھا جاتا ہے اور اس کی درستگی کی گہری جانچ پڑتال کی جاتی ہے۔

اوتھ کمشنر کے روبرو لڑکی کا بیان

پاکستان میں حدود آرڈیننس کے نفاذ کے بعد سے مذکورہ بالا طریقے تقریباً" متروک ہو چکے ہیں۔ اعلیٰ عدالتوں نے بھی بہت سے فیصلوں میں مجسٹریٹ صاحبان کو سختی سے تنبیہہ کی ہے کہ وہ پسند کی شادی کرنے کی خواہش مند لڑکیوں کے بیانات قلمبند کرکے انہیں قانون کی نام نہاد چھتری مہیا کرنے کی روایت ترک کر دیں۔

اس صورت حال کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اب پسند کی شادی کے لئے گھر سے نکل آنے والے جوڑوں کو رقم بٹورنے کے لئے کسی اوتھ کمشنر کے پاس لے جایا جاتا ہے اور دس روپے کے اسٹامپ پیپر پر لڑکی کا ایک اقرار نامہ تحریر کیا جاتا ہے' اس اقرار نامے میں لڑکی بیان کرتی ہے کہ اس کے والدین اس پر ظلم کر رہے تھے اور اس ظلم کی کوئی نہ کوئی جھوٹی سچی وجہ بھی بتائی جاتی ہے۔ اس کے بعد لڑکی یہ تحریر کرتی ہے کہ اسے نہ تو کسی نے اغوا کیا ہے' نہ ورغلایا ہے' نہ اکسایا ہے' نہ لالچ یا ڈراوا دیا ہے بلکہ وہ اپنی آزادانہ مرضی سے خود گھر چھوڑ کر آگئی ہے اور اب فلاں شخص کے پاس ٹھہری ہوئی ہے یا فلاں سے اپنی پسند' اپنی رضامندی اور خوشی سے شادی کرنا چاہتی ہے۔

اس بیان پر اوتھ کمشنر کی مہر اور دستخط ثبت ہونے کے بعد پسند کی شادیاں کروانے والا مخصوص ٹولا اس منصوبے میں شریک کسی نکاح خوان سے اپنی نگرانی میں نکاح کی کارروائی مکمل کرکے نکاح نامہ محبت کرنے والے جوڑے کے حوالے کرتا ہے اور اس خدمت کے عوض بھاری رقم بٹور کر نئے نویلے جوڑے کو ایک ایسے قانونی بھنور کے حوالے کر دیتا ہے جس کے بے رحم تھپیڑے ایک مدت تک (بعض اوقات عمر بھر تک) لڑکی اور لڑکے کی زندگی کو تہ و بالا کرتے رہتے ہیں۔

عدالتی شادی کے قانون کا مختصر جائزہ

1872ء میں برصغیر میں سپیشل میرج ایکٹ کے نام سے ایک قانون نافذ کیا گیا۔

جس کا بنیادی مقصد کسی جوڑے کو خاص حالات میں میاں بیوی بن جانے کی عدالتی اجازت دینا تھا۔ اس قانون کے تحت ہونے والی شادیوں کو عرف عام سول میرج یا عدالتی شادی کا نام دیا جاتا ہے اور پسند کی شادی کرنے کے خواہش مند جوڑوں کو عدالتی شادی کا جھانسہ دیا جاتا ہے۔ یہاں اس قانون کی بعض دفعات کا مختصر ذکر مسلمانوں کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے۔ شاید ہی کوئی ایسا مسلمان ہو جو پسند کی شادی کے عوض اپنے دین اور ایمان کو ترک کرکے مرتد ہونا پسند کرے۔

اس قانون کے افتتاحیہ میں بیان کیا گیا ہے کہ اس قانون کے تحت صرف انہی لوگوں کی شادی ہو سکتی ہے جو اسلام' عیسائیت' یہودیت' ہندومت' بدھ مت' جین مت' پارسی مت اور سکھ مذہب میں سے کسی پر ایمان نہ رکھتے ہوں۔ البتہ سکھ' ہندو' بدھ اور جین مذہب کے لوگ خاص حالات میں اس قانون کے تحت شادی کے حقدار ہو سکتے ہیں۔

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مسلمان' عیسائی اور یہودی کسی صورت میں بھی اپنے مذہب کو ترک کئے بغیر عدالتی شادی نہیں کر سکتے۔ سپیشل میرج ایکٹ کی دفعہ 2 میں اس قانون کے تحت شادی کی کچھ اور شرائط بھی بیان کی گئی ہیں جو عدالتی شادی کے خواہش مند جوڑوں کے علم میں لانا بہت ضروری معلوم ہوتی ہیں۔ یہ حسب ذیل ہیں۔

(1) شادی کے خواہش مندوں میں سے کوئی بھی پہلے سے شادی شدہ نہیں ہونا چاہیے۔ یعنی وہ نہ تو اس وقت کسی کا خاوند ہو اور نہ بیوی۔

(2) مرد کی عمر 18 سال اور عورت کی 16 سال مکمل ہو چکی ہو۔

(3) اگر لڑکی اور لڑکے کی عمر 21 سال سے کم ہو تو عدالتی شادی کے لئے لڑکی اور لڑکے (یا جس کی عمر 21 سال سے کم ہو) کو اپنے والد یا ولی کی رضامندی بھی حاصل کرنا ہو گی۔

(4) شادی کے لئے عدالت میں آنے والے جوڑے کی آپس میں رشتہ داری ایسی نہ ہو کہ کسی دوسرے قانون کے تحت ان کی شادی ممنوع قرار پاتی ہو۔

اس قانون کی دفعہ 3 کے تحت صوبائی حکومت شادی رجسٹرار مقرر کرتی ہے جو عدالتی شادیوں کے معاملات نپٹاتا اور انہیں باضابطہ طور پر رجسٹر کرتا ہے۔

قانون کی دفعہ 4 کے تحت ضروری قرار دیا گیا ہے کہ عدالتی شادی کے خواہشمند جوڑے میں سے کوئی ایک شادی سے کم از کم چودہ دن قبل رجسٹرار کو تحریری نوٹس دے کر شادی کے ارادے اور پروگرام سے مطلع کرے۔

دفعہ 5 رجسٹرار کو پابند کرتی ہے کہ وہ اس نوٹس کا ایک مخصوص رجسٹر میں اندراج کرے اور ایسا اہتمام کرے کہ عام لوگ جب چاہیں اس نوٹس یا شادی کے پروگرام سے آگاہی کر سکیں اور اس پر اگر کسی کو اعتراض ہو تو اپنا اعتراض داخل کر سکیں۔

دفعہ 6 میں کہا گیا ہے کہ کوئی بھی شخص یہ اعتراض اٹھا سکتا ہے کہ مجوزہ شادی دفعہ 2 کی مذکورہ بالا شرائط پر پورا نہیں اترتی۔

دفعہ 7 میں بیان کیا گیا ہے کہ اعتراض آ جانے کے 14 دن بعد تک رجسٹرار شادی کی اجازت نہیں دے گا اور اس دوران اس اعتراض کی جانچ پڑتال کرے گا۔

اس دوران اعتراض کرنے والے کو حق حاصل ہو گا کہ وہ مجوزہ پسند کی شادی کو دیوانی عدالت میں چیلنج کر دے اور استدعا کرے کہ چونکہ یہ شادی دفعہ 2 کی شرائط کی روشنی میں غیر قانونی ٹھہرے گی اس لئے قرار دیا جائے کہ یہ شادی منعقد نہیں ہو سکتی۔

دفعہ 10 میں کہا گیا ہے کہ شادی کے لئے آنے والے جوڑے کی عمر 21 سال سے کم ہو تو ہر فریق کے والد یا ولی کا بیان بھی رجسٹرار کے دفتر میں داخل کرنا ضروری ہو گا کہ وہ شادی کی اجازت دے چکے ہیں۔

دفعہ 11 میں بتایا گیا ہے کہ اعتراض رفع ہونے اور والد یا ولی کا اجازت نامہ داخل ہو جانے کے بعد مقررہ تاریخ پر تین گواہوں کی موجودگی میں رجسٹرار شادی کے منعقد ہو جانے کا اعلان کرے گا اور دونوں فریق باری باری اتنی بلند آواز میں جسے گواہ بخوبی سن سکیں' مندرجہ ذیل الفاظ ادا کریں گے۔

"میں "ا" کو اپنا قانونی شوہر تسلیم کرتی ہوں"۔
"میں "ب" کو اپنی قانونی بیوی تسلیم کرتا ہوں"۔
دفعہ 13 میں کہا گیا ہے کہ اس کے بعد رجسٹرار شادی کا سرٹیفکیٹ تیار کرے گا۔
اس پر رجسٹرار کے علاوہ میاں بیوی اور تینوں گواہوں کے دستخط ثبت ہوں گے۔

قانون کی دفعات 15 اور 16 میں بتایا گیا ہے کہ غلط بیانی کرکے عدالتی شادی کرنے والا شخص ضابطہ فوجداری پاکستان کی دفعات 461-465 کے تحت مجرم تصور ہوگا اور اسے حسب ضابطہ سزا دی جاسکے گی۔

دفعات 21 اور 22 میں واضح کیا گیا ہے کہ غلط یا جھوٹا بیان (یا اجازت نامہ وغیرہ) داخل کرنے والا ضابطہ فوجداری کی دفعہ 199 کے تحت مجرم تصور ہوگا اور اسے حسب ضابطہ سزا دی جاسکے گی۔

مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ سپیشل میرج ایکٹ کے تحت پسند کی عدالتی شادی کرنے والے جوڑے کو حسب ذیل طریقہ کار سے گزرنا ہوگا۔

(1) اپنے مذہب سے لاتعلق کا تحریری اعلان۔
(2) 21 سال سے کم عمر ہونے پر اپنے والد یا ولی کی طرف سے اجازت نامہ حاصل کرکے عدالت میں داخل کرنا۔
(3) عدالتی شادی سے قبل کنوارا ہونے کا اعلان (یا رنڈوا، مطلقہ وغیرہ ہونے کا ثبوت و اعلان)
(4) کم از کم تین گواہوں اور رجسٹرار کی موجودگی میں شادی کا اقرار
(5) شادی کی مجوزہ تاریخ سے کم از کم دو ہفتہ قبل رجسٹرار کو واضح نوٹس کے ذریعے شادی کے ارادے سے مطلع کرنا۔
(6) شادی کے ارادے کو اعتراضات کے لئے عام کرنا اور اعتراض آنے پر شادی کے التواء، عدم انعقاد کے لئے تیار رہنا۔

اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ گھر سے فرار ہو کر عدالتی شادی کے خواہشمندوں کے لئے شادی کا یہ طریقہ قطعاً" وہ سہولت مہیا نہیں کرتا جس کے وہ متلاشی ہوتے

ہیں۔ اس کے برعکس اس شادی میں 21 سال سے کم عمر ہونے پر والد یا ولی کی رضامندی بھی لازمی قرار پاتی ہے اور اس کا اعلان عام بھی—— اور یہ تمام صورتیں خفیہ شادی کے خواہش مند حضرات کے لئے قابل قبول نہیں ہوتیں۔ ویسے بھی عدالتی شادی کا مذکورہ بالا تمام تصور ہی اسلامی قوانین سے متصادم ہے اور ایسی شادی کرنے والے دائرہ اسلام سے خارج ہو کر مرتد قرار پائیں گے۔

پسند کا نکاح ثانی

اگر کوئی شخص پہلی شادی کے بعد اپنی پسند سے دوسری شادی کر لے اور پہلی بیوی سے اجازت لے کر اسے چیئرمین یونین کونسل سے تصدیق کروا لے تو صرف اسی صورت میں وہ دوسری شادی کر سکتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص چیئرمین یونین کونسل سے باقاعدہ سند حاصل کئے بغیر دوسری شادی کر لے تو ایسی شادی پر اس عمل کے کیا اثرات مرتب ہوں گے۔۔۔۔ عدالتوں نے اس سلسلے میں جو فیصلے دیئے ہیں ان کے مطابق دوسری شادی یا تو اپنی جگہ انعقاد پذیر ہو جائے گی لیکن بغیر اجازت دوسری شادی کرنے والے شخص کو اس جرم پر ایک سال قید یا دو ہزار روپے جرمانہ یا بیک وقت دونوں سزائیں دی جا سکتی ہیں۔

○ کوئٹہ ہائی کورٹ نے قرار دیا کہ ایسی دوسری شادی نہ تو باطل ہو گی اور نہ ہی فاسد اور نہ ہی اس شادی پر کوئی غیر قانونی اثرات مرتب ہوں گے۔ (پی ایل ڈی 1986' کوئٹہ 290)

○ البتہ قانون کے مطابق عمل نہ کرنے اور چیئرمین یونین کونسل سے رجوع نہ کرنے پر سزا سنائی جا سکتی ہے۔ (پی ایل ڈی 1971' لاہور 139)

○ اگر خاوند اپنے حلقہ کی یونین کونسل سے ایسی اجازت حاصل کر لے تو وہ غیر قانونی ہو گی۔ (1971ء کرمنل لاء جرنل 148) اس کی وجہ یہ ہے کہ

○ صرف اسی یونین کونسل کا چیئرمین دوسری شادی کی اجازت دے سکتا ہے جس کی کونسل کی حدود میں بیوی رہائش رکھتی ہو۔ (پی ایل ڈی 1987ء لاہور 316)

○ اگر خاوند یہ کہے کہ چیئرمین کے سامنے پہلی بیوی نے باقاعدہ دستخط کر کے مجھے دوسری شادی کی اجازت دی تھی۔ لیکن پہلی بیوی اس بات اور دستخطوں سے انکار کرے تو بیوی کے مبینہ دستخط تحریر شناس کے پاس تصدیق کے لئے بھیجے جائیں گے۔ (پی ایل ڈی 1987ء لاہور 316)

○ اگر خاوند پہلی بیوی کی باقاعدہ اجازت کے بغیر دوسری شادی کر لے تو پہلی بیوی کے علاوہ کوئی دوسرا شخص بھی جسے اس شادی سے صدمہ پہنچا ہو' خاوند کے خلاف فوجداری کارروائی کا آغاز کر کے اسے سزا دلوا سکتا ہے۔ دوسری بیوی بھی اگر یہ سمجھے کہ اس شادی سے اس کی حق تلفی ہوئی ہے تو وہ بھی خاوند کے خلاف مسلم فیملی لاز کی دفعہ 6 کے تحت تعزیری کارروائی کے لئے عدالت میں جا سکتی ہے۔ (پی ایل ڈی 1991ء سپریم کورٹ 1074)

○ یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ پہلی بیوی اگر خاوند کے خلاف پسند کی دوسری شادی کرنے کی پاداش میں فوجداری مقدمہ قائم کرنا چاہتی ہو تو اس کے لئے اسے کون سے علاقے کے مجسٹریٹ کی عدالت میں درخواست گزارنا ہو گی۔ اسی سوال پر مبنی ایک کیس میں عدالت نے قرار دیا کہ ایسا مقدمہ پہلی ترجیح کے طور پر اسی علاقے کی عدالت میں دائر ہو سکتا ہے جس علاقے میں پہلی بیوی رہائش پذیر ہے لیکن اگر دوسری ترجیح کے طور پر ایسا مقدمہ اس علاقے کی عدالت میں بھی دائر کیا جا سکتا ہے جہاں دوسری شادی کے بعد خاوند رہائش پذیر ہے۔ (1992ء ایم ایل ڈی 93) (پی ایل ڈی 1991ء لاہور 247)

○ دوسری شادی کے جرم میں چلنے والی کارروائی کو اگر کوئی فریق کسی وجہ سے

ایک ہی ضلع کی ایک عدالت سے دوسری عدالت میں منتقل کروانا چاہے تو اسے سیشن جج کی عدالت میں تبدیلیء مقدمہ کی درخواست دینا ہوگی۔ اگر سیشن جج یہ سمجھے کہ واقعی تبدیلیء مقدمہ کی کوئی ٹھوس وجہ موجود ہے تو وہ تبدیلیء مقدمہ کے احکامات جاری کرتے ہوئے مقدمہ کسی دوسری عدالت میں منتقل کر دے گا۔ (پی ایل ڈی 1991' لاہور 247)

○ عدالت عالیہ نے نکاح ثانی کے معاملے میں حسب ذیل تین عناصر کی موجودگی کو لازمی قرار دیا ہے۔ یہ تینوں لوازمات ثابت ہونے پر ہی پسند کا نکاح ثانی کرنے والے شوہر کو تعزیری سزا سنائی جا سکتی ہے۔

(الف) پہلی شادی اور موجود بیوی یا بیویاں۔

(ب) مزید بیوی حاصل کرنے کے لئے مصالحتی کونسل سے حسب ضابطہ اجازت نامے کا نہ ہونا۔

(ج) مسلم فیملی قانون کی دفعہ 6 کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نئی شادی کرنا۔ (1992' ایم ایل ڈی 93)

○ یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ پاکستان کے عائلی قوانین مرد کی ایک سے زائد شادیوں کی ممانعت نہیں کرتے۔ بلکہ اسے کچھ شرائط کا پابند کرتے ہیں۔ جنہیں پورا کرنے کے بعد وہ ایک یا ایک سے زائد بیگمات کی موجودگی میں نئی شادی کر سکتا ہے۔ قانون کا منشاء صرف یہ ہے کہ نئی شادی کرنے سے قبل خاوند مصالحتی کونسل کے پاس باقاعدہ ایک درخواست دائر کرے جس میں یہ بتائے کہ اسے نئی شادی کرنے کی ضرورت کیوں لاحق ہوئی ہے اور یہ بھی بتائے کہ اس کی موجودہ بیوی یا بیویاں اسے نئی شادی کی اجازت دے چکی ہیں یا نہیں ---- اور مصالحتی کونسل سے نئی شادی کی اجازت حاصل کرے۔ یہی عائلی قوانین کا منشاء ہے۔ اگر کوئی خاوند اس اجازت کے بغیر شادی کر لیتا ہے اس کے خلاف تعزیری قوانین کو حرکت میں لایا جا سکتا ہے۔ قانون کی اس دفعہ کے تحت نئی شادی کرنے والے فریقین یعنی مرد اور عورت یعنی دونوں کے خلاف سزا نہیں دلوائی جا

سکتی- بلکہ یہ تعزیری کارروائی صرف اس مرد کے خلاف آغاز پذیر ہو گی- جو بلا اجازت دوسری شادی کے جرم کا مرتکب ہوا ہے- لیکن ایسی عورت کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہو سکتی جس سے اس شخص سے شادی کی ہے-

- رائج الوقت قوانین ایسی عورت پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتے جو ایک شادی شدہ مرد سے شادی کرتی ہے- شادی شدہ مرد سے شادی کرنے والی عورت کے بارے میں قانون کی کوئی ایسی شق موجود نہیں ہے جو اس کے اس عمل کو بھی مرد کی طرح مصالحتی کونسل سے اجازت حاصل کرنے کا پابند کرتی ہو- لہٰذا شادی شدہ مرد سے نکاح کرنے پر کسی عورت کو سزائے قید یا جرمانے کی سزا نہیں دی جا سکتی- (1989' اسلامک لاء جرنل 92)
- دوسری شادی کی شکایت بذریعہ تحریری استغاثہ براہ راست متعلقہ مجسٹریٹ کی عدالت میں دائر کی جا سکتی ہے اور بذریعہ چیئرمین کونسل بھی متعلقہ عدالت کو بھجوائی جا سکتی ہے- چیئرمین یونین کونسل کے دفتر کے ذریعے سے بھجوائی گئی درخواست بھی متاثرہ فریق ہی کی دائر کردہ درخواست متصور ہو گی- ایسی درخواست کی ایک "سرکاری اہلکار" کی جانب سے دائر کردہ درخواست قرار دے کر غیر موثر قرار نہیں دیا جا سکتا- (پی ایل ڈی 1985' لاہور 165)
- اگر کسی شخص کے خلاف بلا اجازت دوسری شادی کا غلط الزام لگا کر استغاثہ دائر کر دیا جائے تو وہ متعلقہ عدالت میں دفعہ 249/A تعزیرات پاکستان کے تحت درخواست گزار سکتا ہے- اس کا موقف ثابت ہونے پر غلط طور پر دائر شدہ استغاثہ خارج ہو جائے گا-
- دوسری شادی کے خلاف دائر شدہ استغاثہ خارج کروانے کے لئے سیشن جج کی عدالت میں درخواست دائر نہیں کی جا سکتی- ہاں اگر متعلقہ مجسٹریٹ خاوند کو غیر قانونی دوسری شادی پر سزا سنا چکا ہو تو سیشن جج کی عدالت میں اس کے فیصلے کے خلاف نگرانی دائر کی جا سکتی ہے- لیکن جب تک یہ معاملہ مجسٹریٹ کی عدالت میں زیر سماعت ہے اسے ختم کروانے کے لئے سیشن جج کی عدالت میں

درخواست نہیں دی جا سکتی۔ (1986، پاکستان کرمنل لا جرنل 1825)

- البتہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 561 کے تحت مجسٹریٹ کی عدالت میں زیر سماعت کارروائی کو ہائی کورٹ میں درخواست دے کر اپنی بے گناہی کو ثابت کرتے ہوئے مذکورہ کارروائی کو تحلیل کروایا جا سکتا ہے۔ (1986، ایس سی ایم آر 1821) (1970، ایس سی ایم آر 753)
- دوسری شادی کرنے پر مذکورہ بالا کارروائیوں کے علاوہ شوہر پر ایک سزا یہ بھی خود بخود لاگو ہو جاتی ہے کہ پہلی بیوی یا بیویوں کے واجب الادا حق مہر کی ادائیگی اس پر فوری طور پر واجب ہو جاتی ہے۔ (پی ایل ڈی 1987، صفحہ 316)
- خاوند کے بغیر اجازت دوسری شادی کرنے پر فوری حق مہر وصول کرنے کے علاوہ پہلی بیوی تنسیخ نکاح کا مقدمہ کر کے شوہر سے طلاق بھی حاصل کر سکتی ہے۔ (پی ایل ڈی 1984، پشاور 49)
- بیوی سے اجازت کے بغیر نئی شادی کرنے پر قانون کے مطابق صرف متعلقہ مجسٹریٹ کی عدالت ہی کارروائی کرنے اور شوہر کو سزا دینے کی مجاز ہے۔ اگر اس جرم کی اطلاع بذریعہ درخواست متعلقہ چیئرمین کو دی جائے لیکن وہ معاملے کو مذکورہ بالا عدالت میں بھجوانے کے بجائے خود کارروائی شروع کر دے اور فیصلہ سنا دے تو یہ تمام کارروائی غیر قانونی ہو گی۔ کیونکہ چیئرمین یونین کونسل یا مصالحتی کونسل کو اس سلسلے میں کسی قسم کی کارروائی کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ (1990، کرمنل لاء جرنل صفحہ 975_ 1986 ایس سی ایم آر صفحہ 1821_ 1989، سی ایل سی 1662)
- اسی طرح ایک اور مقدمے میں ہائی کورٹ نے قرار دیا کہ خاوند کی نئی شادی پر پہلی بیوی کے شکایت نہ کرنے کے باوجود اگر مجسٹریٹ خاوند کے خلاف تعزیری کارروائی کا آغاز کر دے تو یہ کارروائی کسی قانونی بنیاد کے بغیر متصور ہو گی۔ اور قانون کی نگاہ میں غیر موثر ٹھہرے گی۔ (1986، پاکستان کرمنل لاء جرنل صفحہ 2023)

- اگر خاوند پسند کی دوسری شادی کا غلط الزام لگا کر مجسٹریٹ کی عدالت میں تعزیری کارروائی چالو کر دی جائے تو اسی عدالت میں ضابطہ فوجداری کی دفعہ 249-A کے تحت درخواست دائر کرکے اسے ختم کروایا جا سکتا ہے۔
- اگر دفعہ 249-A کے تحت مجسٹریٹ غلط کارروائی کو ختم یا خارج کرنے سے انکار کر دے تو ضابطہ فوجداری کی دفعہ 561 کے تحت ہائی کورٹ سے رجوع کرکے مذکورہ کارروائی کو ختم کروایا جا سکتا ہے اور اسے غیر قانونی قرار دلوایا جا سکتا ہے۔ (1186 پاکستان کریمنل لاء جرنل 1825)

متفرق مذاہب اور مختلف عورتوں سے شادیاں

مقولہ مشہور ہے کہ محبت نہ دین مذہب کو دیکھتی ہے نہ عشق ذات پات کی تمیز کرتا ہے۔ محبت کے اندھے جذبے بعض اوقات لڑکی اور لڑکے کو ایک ایسے ملاپ پر مجبور کر دیتے ہیں جس کی نہ تو مذہب اجازت دیتا ہے نہ ہی معاشرہ انہیں قبول کرتا ہے۔ گزشتہ ڈیڑھ سو سال میں ایسے بہت سے مقدمات چھوٹی عدالتوں سے ہوتے ہوئے اعلیٰ ترین عدالتوں تک آئے۔ پسند کی شادی میں مذہبی' معاشرتی اور اخلاقی اقدار کی پابندی نہ کرنے سے بے شمار سماجی مسائل پیدا ہو جاتے ہیں اور غیر قانونی شادیوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد کا نہ صرف مستقبل مخدوش ہو جاتا ہے بلکہ حالات انہیں ایسے خطرناک دھارے پر بہا لے جاتے ہیں کہ وہ معاشرے سے اپنے والدین کے گناہ کا انتقام لینے کے لئے سب کچھ کر گزرتے ہیں۔ ذیل میں ایسی شادیوں کے بارے میں عدالتی فیصلوں کو مختصراً پیش کیا جا رہا ہے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ کون سی شادیاں جائز ہیں اور کونسی ناجائز۔

مسلمان عورت۔ غیر مسلم مرد

اسلامی شریعت کے مطابق کوئی بھی مسلمان عورت کسی غیر مسلم مرد سے شادی

نہیں کر سکتی۔ ان غیر مسلم مردوں میں کتابیہ مرد یعنی عیسائی اور یہودی بھی شامل ہیں۔
ایک مسلمان عورت کی کسی قادیانی مرد سے شادی بھی قانون کی نگاہ میں ناجائز اور باطل قرار پاتی ہے۔

سکھ مرد۔ مسلمان عورت

سکھ مرد اور مسلمان عورت آپس میں پسند کے باوجود کسی رائج الوقت قانون کے تحت شادی کرنے کے اہل قرار نہیں پاتے۔ لہٰذا اگر وہ شادی کر لیتے ہیں یا باہمی طور پر ایجاب و قبول کے بعد میاں بیوی کے طور پر رہنے لگتے ہیں تو ایسی صورت میں مسلمان عورت کو زیادہ سے زیادہ سکھ مرد کی داشتہ تصور کیا جائے گا۔ ایسی عورت کے بچے نہ تو سکھ والد کی جائیداد میں وارث ہوں گے اور نہ ہی مسلمان عورت کی قانونی اولاد متصور ہوں گے۔ (1983' سپریم کورٹ منتھلی ریویو صفحہ 688' فل بنچ)

مسلمان مرد۔ عیسائی عورت

مسلمان مرد اور ایک عیسائی عورت جائز اور قانونی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر ایسی شادی پاکستان سے باہر انگلینڈ میں وہاں کے قوانین کے مطابق رجسٹر ہوئی ہو تو اسے مسلم قوانین کے مطابق بھی تصور کیا جائے گا اور مسلم فیملی لاز کی روشنی میں بھی ایسی شادی جائز قرار پائے گی۔

مسلمان مرد۔ قادیانی عورت

اگر قادیانی عورت کسی مسلمان مرد سے شادی کر لے یا کوئی مسلمان مرد کسی قادیانی عورت سے شادی کر لے تو یہ شادی غیر قانونی ہو گی اور فریقین بطور میاں بیوی مسلم فیملی لاز کے تحت کسی داد رسی کے حقدار نہ ہوں گے۔ (1986' سپریم کورٹ منتھلی ریویو صفحہ 1621_ نثار بنام فاطمہ)

مسلمان مرد۔ ہندو عورت

کوئی مسلمان مرد اسلامی ازدواجی قوانین کے تحت کسی ہندو عورت سے شادی

نہیں کر سکتا۔ نہ ہی مسلم فیملی لاز کے تحت ہندو عورت سے طلاق حاصل کر سکتا ہے۔ ایسی شادی کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوتی۔ (این ایل آر 1994' ایس ڈی صفحہ 513)

مسلمان مرد۔ یہودی عورت

ایک مسلمان مرد کی یہودی عورت سے شادی جائز اور قانونی حیثیت رکھتی ہے۔
(21 Cal. 666'674) (بیلی 42-40)

مسلمان مرد۔ بت پرست عورت

مسلمان مرد کی بت پرست عورت سے شادی جائز نہیں۔ قانون کی نگاہ میں یہ شادی فاسد قرار پاتی ہے۔ (ایف ڈی ملا۔ دفعہ 259)

مسلمان مرد۔ آتش پرست عورت

ایک مسلمان مرد کی کسی آتش پرست عورت سے شادی جائز نہیں۔ البتہ فقہ جعفریہ کے نزدیک آتش پرست عورت کتابیہ میں شمار ہوتی ہے اس لئے ایک شیعہ کی ایک آتش پرست عورت سے شادی کو جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔ (بیلی_ 29:40)

مسلمان مرد۔ بدھ عورت

ایک مسلمان مرد کی ایک بدھ عورت سے شادی جائز نہیں۔ عبدالرزاق بنام آغا محمود جعفر میں انگلستان کی سب سے اعلیٰ عدالت پریوی کونسل تک بدھ عورت کو کتابیہ ثابت کرنے کے لئے کیس لڑا گیا۔ لیکن یہ مقدمہ کسی حتمی فیصلے کے بغیر ختم ہو گیا۔ ((1893) 21I.a.56'64'65)

پاکستانی مسلمان مرد۔ بھارتی عورت

پاکستانی مسلمان مرد اور بھارتی مسلمان عورت کی شادی مسلم فیملی لاز آرڈیننس کے تحت جائز قرار پائے گی۔ کسی ایسی بھارتی عورت سے شادی جس کی پاکستان کا قانون اجازت دیتا ہے' جائز اور قانونی تصور ہو گی۔(پی ایل ڈی 1963' سپریم کورٹ 51)

مسلمان مرد- غیر ملکی یا غیر مسلم عورت

کسی بھی غیر مسلم یا غیر ملکی عورت کے ساتھ شادی جسے اسلام ممنوع قرار نہیں دیتا- مسلمان مرد کے پرسنل لاء اور مسلم فیملی لاز آرڈیننس 1961 کے تحت جائز اور قانونی متصور ہوگی اور اسی کے تحت ایسی شادی سے متعلقہ امور کا فیصلہ کیا جائے گا-

مسلمان مرد- طوائف عورت

ایک مسلمان مرد ایک مسلمان طوائف (یا کتابیہ طوائف) سے اپنی پسند کے مطابق شادی کر سکتا ہے- اگر ایجاب و قبول اور شادی کے لوازمات پورے ہوں- تو ایسی شادی مکمل طور پر قانونی اور جائز تصور ہوگی-(این- ایل- آر 1992' سپریم کورٹ جرنل- صفحہ 508)

شیعہ مرد- کتابیہ عورت

شیعہ مرد اور ایک کتابیہ عورت کی شادی اصولی شیعہ فقہ کے مطابق جائز اور قانونی قرار پائے گی- (پی ایل ڈی' 1963' سپریم کورٹ صفحہ 51' فل بنچ)

مسلمان مرد- کتابیہ عورت

شیعہ و فقہ کے علاوہ قرآن خود بھی ایک مسلمان مرد اور ایک کتابیہ عورت کے مابین شادی کی اجازت دیتا ہے لہٰذا مسلمان مرد اور کتابیہ عورت کی شادی شریعت کے مطابق درست اور جائز ہے- (پی ایل ڈی 1963' سپریم کورٹ صفحہ 51' فل بنچ- علی نواز گردیزی بنام کرنل محمد یوسف)

مسلمان سنی مرد- شیعہ عورت

ایک مسلمان سنی مرد اور شیعہ عورت کی شادی قانونی اور جائز ہوتی ہے- (عزیز بانو بنام محمد---- All.823 47 (1925))

اسی طرح ایک شیعہ مسلمان مرد اور سنی مسلمان عورت سے قانونی اور جائز

شادی کا اہل ہے۔ [(نصرت حسین بنام حمیداں۔ 4 All.205 (1882)]

مسلمان مرد۔ حاملہ عورت

اگر کسی عورت نے اپنے خاوند سے طلاق حاصل کر لی ہو اور اپنی پسند سے دوسری شادی کر لے بعد ازاں انکشاف ہو کہ وہ پہلے شوہر سے حاملہ تھی تو ایسی شادی قانون کی نظر میں فاسد قرار پائے گی۔ غیر قانونی یا مکمل طور پر ناجائز تصور نہ ہو گی۔ بچہ کی پیدائش کے بعد فاسد کی ذیل سے نکل کر صحیح شادی کا درجہ حاصل کر لے گی۔ (پی ایل ڈی 1962ء لاہور صفحہ 531_ ڈی۔ بی)

پسند کی شادی' مقدمات اور سزائیں

پسند کی شادی میں اہل خاندان کی عام طور پر رضامندی شامل نہیں ہوتی۔ ویسے بھی ہماری اسلامی اور مشرقی معاشرتی اقدار اس امر کی ہرگز اجازت نہیں دیتیں کہ کوئی نوجوان لڑکی بغیر اطلاع گھر سے غائب ہو جائے' چاہے اس کا مقصد باضابطہ طور پر شادی کرنا ہی کیوں نہ ہو۔ کسی جوان لڑکی کا گھر سے غائب ہو جانا اہل خاندان کے لئے قیامت ثابت ہوتا ہے اور اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک طرف تو اہل خاندان کو شدید شرمندگی' بے عزتی اور تضحیک کا نشانہ بننا پڑتا ہے دوسری طرف پسند کی شادی رچانے والے جوڑے کے خلاف انتقامی کارروائی کا جذبہ بے قابو ہو جاتا ہے۔ متاثرہ خاندان کے بعض افراد تو اس عمل کو اپنی غیرت کا مسئلہ جان کر نئے جوڑے کو قتل تک کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں۔ لیکن اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو مذکورہ جوڑے کو اس معاشرتی بغاوت کا سبق سکھانے کے لئے سچے یا جھوٹے جواز بنا کر قانون کو استعمال میں لاتے ہیں۔ اس سلسلے میں عام طور پر لڑکی کے والدین پہل کرتے ہیں اور لڑکے کے خلاف حدود آرڈیننس کے تحت متعلقہ تھانوں میں سنگین الزامات لگا کر پرچہ درج کروا دیتے ہیں۔ یہ الزامات ایسے ہوتے ہیں جن کی سزا سات سال سے

عمر قید تک بلکہ سزائے موت تک ہو سکتی ہے۔ اور اس سزا کے ساتھ ساتھ بھاری جرمانہ کرنے کے علاوہ کوڑے بھی لگائے جا سکتے ہیں۔

پسند کی شادی کرنے والے جوڑوں اور خاص کر لڑکے کے خلاف جو مقدمات درج کروائے جاتے ہیں' حدود کے ضمن میں' ان میں سے خاص خاص حسب ذیل ہیں۔

1: زناء
2: زناء بالجبر
3: اغواء
4: بدکاری کی غرض سے انسانی فروخت
5: بدکاری کی غرض سے انسانی خریداری
6: عورت کو یہ دھوکہ دے کر کہ وہ اس کی قانونی بیوی بن چکی ہے اس کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرنا۔
7: عورت کو بہلا پھسلا کر مجرمانہ نیت سے لے جانا یا کہیں روک لینا۔
8: زناء کی کوشش کرنا۔

حدود آرڈیننس کے تحت مندرجہ بالا مقدمات کے علاوہ تعزیرات پاکستان کی مختلف دفعات کے تحت بھی پسند کی شادی کے لئے گھر کو خیرباد کہہ دینے والے جوڑوں اور اس سلسلے میں امداد اور تعاون مہیا کرنے والے دوستوں اور رشتہ داروں کے خلاف بہت سے مقدمات درج کئے جا سکتے ہیں۔ عام طور پر اس سلسلے میں جو مقدمات دیکھنے میں آتے ہیں ان کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے۔

(ا) قانون تعزیرات پاکستان کی دفعات 34 تا 38 کے تحت آنے والے جرائم

دفعہ 34 میں کہا گیا ہے کہ اگر کسی جرم کے ارتکاب میں ایک سے زیادہ لوگوں نے مشترکہ مقصد کے لئے حصہ لیا ہو تو ہر شخص اسی طرح جرم کا مرتکب سمجھا جائے گا جیسے کہ مکمل جرم صرف اسی ایک اکیلے شخص نے کیا ہو۔

دفعہ 35 کے مطابق اگر کوئی عمل اپنی نیت کے اعتبار سے مجرمانہ ہے جبکہ اس

عمل میں حصہ لینے والے افراد ایک سے زیادہ ہیں اور یہ ثابت ہو رہا ہو کہ ان سب لوگوں کو اس مجرمانہ عمل کا علم تھا اور انہوں نے نیت کے ساتھ اس میں حصہ لیا ہے تو ایسے عمل میں حصہ لینے والے ہر شخص کے بارے میں سمجھا جائے گا جیسے کہ خود اسی نے سارے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

دفعہ 36 میں کہا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص جزوی طور پر مجرمانہ عمل میں حصہ لے اور جزوی طور پر ایسی غفلت سے کام لے جو ارتکاب جرم میں مددگار ثابت ہو یا کسی فرد کو جرم کے ارتکاب کی مہلت مل جائے تو ایسے شخص کے طرز عمل بھی اصل مجرم کے عمل کے مساوی تصور کیا جائے گا۔

دفعہ 37 ایسے شخص کو پورے جرم میں برابر کا حصہ دار قرار دیتی ہے جو کئی مرحلوں میں مکمل ہونے والے جرم میں کسی ایک مرحلے یا ایک سے زیادہ مرحلوں میں شریک رہا ہو۔

دفعہ 38 میں کہا گیا ہے اگر ایک سے زیادہ لوگ مل کر کسی جرم کا ارتکاب کریں اور اس جرم کی تکمیل کرتے ہوئے کچھ اور غیر قانونی مرحلوں سے بھی گزریں تو اصل جرم کے ساتھ ساتھ دیگر غیر قانونی اعمال کے پیش نظر وہ الگ الگ جرائم کے بھی مرتکب قرار پائیں گے۔

تعزیرات پاکستان کی دفعات 63 تا 70 جرائم کی سزاؤں کے ساتھ ساتھ جرمانوں سے متعلق ہے۔ ان دفعات میں کہا گیا ہے کہ جن جرائم میں جرمانوں کی خاص حد مقرر نہیں ہے' وہاں عدالت اپنی صوابدید کے مطابق جتنا چاہے جرمانہ کر سکتی ہے۔ البتہ یہ جرمانہ غیر ضروری طور پر زیادہ نہیں ہونا چاہئے۔ دفعات 71 اور 72 میں واضح کیا گیا ہے کہ اگر مجرم ایک سے زیادہ جرائم کا مرتکب ثابت ہو تو بڑے جرم کے علاوہ دیگر متعلقہ جرائم پر بھی سزا دی جائے گی۔ ان دفعات میں بتایا گیا ہے کہ سزائیں کس طرح شروع ہوں گی۔

حدود آرڈیننس میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ حدود کے جرائم کا ارتکاب کرنے والوں پر تعزیرات پاکستان کے ابواب نمبر 5 اور 5_ اے بھی لاگو ہوں گے۔ باب نمبر 5 میں

دفعات نمبر 107 سے 120 تک شامل ہیں۔

اکسانے کی سزا

ان دفعات میں کہا گیا ہے کہ کسی شخص کو کسی جرم پر اکسانے اور اس کی ہمت افزائی کرنے والا بھی جرم میں شریک تصور ہو گا۔ اور اسے بھی مجرم کے ساتھ سزا سنائی جا سکے گی۔ جو کہ جرم کے تکمیل پذیر ہو جانے پر بڑے مجرم کی سزا کے برابر بھی ہو سکتی ہے اور مجرمانہ عمل کی نوعیت کے پیش نظر ایک چوتھائی کے برابر بھی ہو سکتی ہے لیکن اگر جرم مکمل نہیں ہو پایا تو مجرم کی سزا کے 1/8 ویں حصہ کے برابر ہو سکتی ہے۔

اکسانے کی تعریف

تعزیرات پاکستان میں اکسانے کی حسب ذیل تعریف کی گئی ہے۔

اول : کسی کو کسی غیر قانونی کام کی ترغیب دینا ـــــ یا

دوم : جان بوجھ کر کسی مجرمانہ فعل میں مدد کرنا یا جان بوجھ کر کسی ایسے فعل کے ارتکاب کو نظر انداز کرنا۔

مثلاً کوئی شخص یہ جانتے ہوئے بھی اگر گھر کا دروازہ بغیر کنڈی لگائے یا تالہ لگائے چھوڑ دیا گیا۔ تو فلاں شخص فلاں لڑکی کو بھگا کر لے جا سکتا ہے، جان بوجھ کر آسانی پیدا کرنے کے لئے کنڈی کھلی چھوڑ دیتا ہے۔ جس کے نتیجے میں اغواء کی واردات ہوتی ہے یا لڑکی کسی لڑکے کے ساتھ گھر سے زیورات وغیرہ سمیت فرار ہو جاتی ہے تو جس شخص نے جان بوجھ کر دروازہ کھلا چھوڑ دیا تھا وہ بھی شریک جرم متصور ہو گا۔

سوم : اگر کوئی شخص کسی دوسرے ایک یا ایک سے زائد اشخاص کے ذمہ کوئی ایسا کام لگاتا ہے جس کا آخری نتیجہ کسی جرم کی صورت میں نکلتا ہے یا یہ سب لوگ مل جل کر کسی واقعے کو جان بوجھ کر نظر انداز کرتے ہیں جس کے نتیجے میں جرم سرزد ہوتا ہے تو ایسے سب لوگ بھی اکسانے

والوں کی صف میں شمار ہوں گے اور مجرم کے ساتھ سزا کے حق دار ہوں گے۔

تعزیرات پاکستان کا باب نمبر5_اے مجرمانہ سازش سے متعلق ہے اور دو دفعات 120_اے اور 120_بی پر مشتمل ہے۔

مجرمانہ سازش کی تعریف

قانون میں مجرمانہ سازش کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر دو یا دو سے زیادہ اشخاص باہمی رضامندی اور نیت کے ساتھ

(ا) کوئی غیر قانونی فعل سرانجام دیں—— یا

(ب) کوئی ایسا کام کریں جو خود تو غیر قانونی نہ ہو لیکن اسے کرنے کے لئے غیر قانونی طریقہ کار اختیار کریں۔

تو ان کی یہ باہمی رضامندی مجرمانہ سازش کہلائے گی۔ البتہ ایسے اعمال میں رضامندی سے اشتراک مجرمانہ سازش کی تعریف میں نہیں آئے گا جو کوئی جرم سرزد کرنے کی نیت سے وجود میں نہ آیا ہو۔

مجرمانہ سازش کی سزا

دفعہ نمبر120_بی میں مجرمانہ سازش کی سزا تجویز کی گئی ہے جو حسب ذیل ہے۔

(ا) ایسے جرائم کی مجرمانہ سازش کرنے والے اشخاص جن کی سزا موت ہو عمر بھر قید ہو یا دو سال سزائے قید بامشقت یا اس سے زیادہ ہو تو ایسے اشخاص کو وہی سزا ملے گی جو ان جرائم پر اکسانے والوں کو مل سکتی ہے۔ بشرطیکہ کسی قانون میں مجرمانہ سازش کی علیحدہ سے کوئی خاص سزا مقرر نہ ہو۔

(ب) اگر مجرمانہ سازش کے نتیجے میں وقوع پذیر ہونے والے جرم کی سزا ان سزاؤں سے کم ہے جو اوپر پیرا (ا) میں بیان کی گئی ہیں۔ تو ایسی مجرمانہ سازش پر زیادہ سے زیادہ چھ ماہ کی سزائے قید دی جا سکے گی۔ اس کے علاوہ جرمانہ بھی کیا جا سکتا ہے اور عدالت اپنی صوابدید کے مطابق قید اور جرمانہ دونوں سزائیں بیک وقت بھی سنا سکتی ہے۔

حدودی مقدمات اور سزاؤں کی مختصر تشریح

زناء

حدود آرڈیننس 1979ء (جرم زناء) کی دفعہ 4 میں زناء کے جرم کی حسب ذیل تعریف کی گئی ہے:

اگر ایک مرد اور ایک عورت جائز طور پر باہم شادی کئے بغیر ایک دوسرے کی رضامندی سے جنسی عمل کرتے ہیں تو قانون کی نظر میں اس جرم کو زناء کہا جاتا ہے۔

آرڈیننس کی دفعہ 5 میں بتایا گیا ہے کہ اس عمل پر اس وقت حد کی سزا نافذ کی جا سکتی ہے جب

(ا) ایک بالغ اور عاقل مرد کسی ایسی عورت سے اختلاط کرے جسے یہ علم ہو کہ وہ مرد اس کا خاوند نہیں ہے۔ یا پھر

(ب) یہ عمل ایک بالغ اور عاقل عورت ایک ایسے مرد کے ساتھ کرے جس کے بارے میں اسے علم ہو کہ وہ اس کا خاوند نہیں ہے۔

زناء کی سزا

جرم زناء حدود آرڈیننس 1979ء کی دفعہ 5 ذیلی دفعہ 2 میں زناء کی جرم کی سزا بیان کی گئی ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

(ا) اگر اس جرم کا ارتکاب کرنے والا عاقل بالغ اور شادی شدہ مسلمان ہے تو اسے کسی عوامی جگہ پر سرعام سنگسار کر دیا جائے۔

(ب) اگر اس جرم کا ارتکاب کرنے والا عاقل بالغ غیر شادی شدہ مسلمان ہے تو اسے کسی عوام جگہ پر سرعام ایک سو کوڑے لگائے جائیں۔

(ج) مندرجہ بالا سزاؤں پر اس وقت تک عملدرآمد نہیں ہو گا جب تک کہ کوئی ایسی عدالت اس سزا کی توثیق نہ کر دے جہاں سزا سنانے والے عدالت کے فیصلے کے خلاف اپیل دائر ہو سکتی ہو۔ مزید یہ کہ اگر سزا صرف کوڑوں کی سنائی گئی ہے تو پھر جب تک اعلیٰ عدالت اس سزا کی توثیق نہیں کر دیتی اس وقت تک ملزم سے ویسا ہی سلوک کیا جائے گا جیسا کہ عام سزا بھگتنے والے کسی بھی مجرم سے کیا جاتا ہے۔

زناء بالجبر

مذکورہ بالا آرڈیننس کی دفعہ 6 کے تحت زناء بالجبر کے جرم کی تشریح بیان کی گئی ہے۔ جس کا مفہوم حسب ذیل ہے۔

اگر کوئی مرد (یا عورت) کسی عورت (یا مرد) سے جنسی اختلاط کرے جس کے ساتھ اس کی جائز طور پر شادی نہ ہو چکی ہو تو یہ جرم مندرجہ ذیل حالات میں زناء بالجبر قرار پائے گا۔

(ا) جبکہ یہ جرم دوسرے فریق کی مرضی کے بغیر کیا جائے۔

(ب) جبکہ یہ جرم دوسرے فریق کی اجازت کے بغیر کیا جائے۔

(ج) جبکہ یہ جرم دوسرے فریق کی اجازت سے کیاجائے۔ لیکن یہ اجازت اسے زخمی کئے جانے یا جان سے مار دینے کا خوف طاری کرکے حاصل کی جائے۔ یا

(د) یہ اجازت ان حالات میں حاصل کی گئی ہو جبکہ ملزم کو یہ معلوم ہو کہ زناء کا نشانہ بننے والا فریق یہ جانتا ہے کہ ملزم اس کے ساتھ جائز طور پر شادی شدہ نہیں ہے۔ یا یہ کہ زناء کا نشانہ بننے والے فریق نے یہ جانتے ہوئے کہ وہ کسی دوسرے کی قانونی بیوی (یا شوہر) ہے' ملزم کو زناء کی اجازت دی ہو۔

آرڈیننس میں یہ بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ زناء بالجبر کا جرم دخول کے ساتھ ہی مکمل یا سرزد ہو جاتا ہے اور ملزم سزا کا مستحق قرار پا جاتا ہے۔

مرضی اور اجازت میں فرق

خوش دلی سے دی گئی اجازت سے مطلب یہ ہے کہ اجازت دینے والے کو اس کی اجازت سے ہونے والے عمل کی نیکی یا بدی کا اچھی طرح علم ہو۔۔۔۔ اس عمل کے بارے میں پتہ ہو کہ کیا ہونے والا ہے اور اس عمل کی نوعیت سے آگاہی ہو۔ اگر یہ لوازمات موجود نہ ہوں تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مذکورہ عمل اجازت سے کیا گیا تھا یا نہیں۔ (پی ایل ڈی 1966 کراچی' صفحہ 331)

جبکہ اس کے برعکس مرضی کی قانونی تعریف کے مطابق کسی عمل کے کرنے میں دوسرے شخص کا اپنا ارادہ اور خواہش بھی شامل ہونا ضروری ہے۔ (کتاب قانونی تشریحات۔ ایڈیشن 1982' لاء پبلشنگ کمپنی لاہور)

زناء بالجبر کی سزا

اگر ایک بالغ اور عاقل شخص کسی عورت کے ساتھ یہ جانتے ہوئے کہ وہ عورت اس کی جائز اور قانونی بیوی نہیں ہے' زناء بالجبر کا مرتکب ہو تو

(ا) پہلے سے شادی شدہ ہونے کی صورت میں اسے کسی عوامی مقام پر سرعام سنگسار کیا جائے گا۔

(ب) اگر مجرم شادی شدہ نہ ہو تو اسے کسی عوامی مقام پر سرعام ایک سو کوڑے لگائے جائیں گے۔ اس کے علاوہ جرم کی شدت کے پیش نظر عدالت اپنی صوابدید کے مطابق کوئی بھی سزا دی جا سکتی ہے جس میں سزائے موت

تک شامل ہے۔

دفعہ 6 کی ذیلی دفعہ 4 میں واضح کیا گیا ہے کہ مذکورہ بالا سزا پر عمل صرف اسی وقت کیا جا سکے گا جب سزا دینے والی عدالت کے فیصلہ کے خلاف اپیل کی سماعت کا اختیار رکھنے والی عدالت اس سزا کی توثیق نہ کر دے۔ کوڑوں کی سزا پانے والے مجرم کے ساتھ سزا کی حتمی توثیق ہو جانے تک عام قیدیوں جیسا سلوک کیا جائے گا۔

نابالغ' پسند کی شادی اور زناء کا جرم

بعض واقعات ایسے بھی سامنے آئے ہیں کہ لڑکی اور لڑکے نے پسند کی شادی کر لی اور بعد ازاں والدین نے یہ موقف اختیار کیا کہ پسند کی شادی کرنے والا جوڑا یا دونوں میں سے ایک ابھی نابالغ ہے۔ نابالغ مجرم کے بارے میں مذکورہ بالا آرڈیننس کی دفعہ 7 میں صراحت کی گئی ہے۔ اس دفعہ کے مطابق نابلوغت کے باوجود زناء یا زناء بالجبر کا جرم تو اپنی جگہ موجود رہتا ہے لیکن اس کی سزا میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ نابالغ مجرم کو زیادہ سے زیادہ سات سال کی سزا دی جا سکتی ہے۔ لیکن اضافی طور پر اسے جرمانہ کے علاوہ تیس کوڑے تک بھی لگانے کا حکم دیا جا سکتا ہے۔ اگر نابالغ کی عمر پندرہ سال سے زیادہ ہو۔ تو پھر کوئی دوسری سزا دینے یا نہ دینے سے قطع نظر کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔

زناء یا زناء بالجبر کا ثبوت

جرم زناء سے متعلق حدود آرڈیننس کی دفعہ 8 میں اس امر کی صراحت کی گئی ہے کہ زناء یا زناء بالجبر کے جرم کو عدالت میں کس طرح ثابت کیا جا سکتا ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہے۔

(ا) جب ملزم خود کسی با اختیار عدالت کے سامنے اپنے ارتکاب جرم کا اعتراف کر لے۔

(ب) یا پھر کم از کم چار بالغ مسلمان گواہ ارتکاب جرم کی اس طرح گواہی دیں کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دخول ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور یہ چار گواہ

ایسے ہونا چاہئیں جو نہ صرف یہ کہ سچا ہونے کی شہرت رکھتے ہوں اور ہر طرح کے گناہ کبیرہ سے اجتناب کرتے ہوں اور عدالت اپنے طور پر بھی مطمئن ہو کہ یہ گواہ تزکیہ الشہود کے معیار پر پورا اترتے ہیں۔ ہاں اگر ملزم غیر مسلم ہے تو گواہ بھی غیر مسلم ہو سکتے ہیں۔

تزکیہ الشہود کی وضاحت

تزکیہ الشہود سے مراد وہ عدالتی طریقہ کار ہے جو عدالت گواہوں کے سلسلے میں تحقیق کے لئے اختیار کرے تاکہ اس نتیجے پر پہنچا جا سکے کہ زناء کے چشم دید گواہ گواہی کے اس اسلامی معیار پر پورا بھی اترتے ہیں یا نہیں۔ جو اوپر شق (ب) میں بیان ہوا ہے۔

اگر زناء یا زناء بالجبر کے مندرجہ بالا ثبوت کی شرائط پوری نہیں ہوتیں' یعنی پورے چار گواہ میسر نہ آئیں یا گواہی دینے کے بعد چار میں سے کوئی ایک یا زیادہ گواہ اپنے بیان سے منحرف ہو جائیں تو پھر اس جرم پر حد کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ بلکہ حد یعنی سنگسار یا کوڑوں کے بجائے سزائے قید دی جا سکے گی۔ یا پھر جرم کے اثبات میں شک پیدا ہونے پر ملزم کو بری بھی کیا جا سکتا ہے۔

حد نافذ نہ ہونے پر زناء کی سزا

اگر زناء کا جرم ثابت ہو لیکن اس جرم کی اسلامی سزا یعنی حد چار قابل اعتماد سچے مسلمان گواہوں کی عینی شہادت دستیاب نہ ہو تو عدالت دیگر شہادتوں اور ثبوت کی بنیاد پر زیادہ سے زیادہ دس سال تک سزائے قید دے سکتی ہے۔ اس کے علاوہ تیس کوڑے مارنے کے ساتھ ساتھ جرمانہ بھی کر سکتی ہے۔ جرم زناء (نفاذ حدود) آرڈیننس کی دفعہ 10 (2) میں زناء کی مندرجہ بالا سزا صراحت سے بیان کی گئی ہے جبکہ دفعہ 10 (3) زناء بالجبر کی سزا سے متعلق ہے۔

حد نافذ نہ ہونے پر زناء بالجبر کی سزا

مذکورہ آرڈیننس کی ضروریات کے مطابق اگر گواہ اسلامی معیار شہادت پر پورا نہ اترتے ہوں لیکن دیگر شواہد کی بنیاد پر عدالت اس نتیجہ پر پہنچے کہ جرم زناء بالجبر کا ارتکاب ہوا ہے اور یہ کہ ناکافی شہادت کی وجہ سے ملزم پر حد نافذ نہیں کی جا سکتی۔ تو عدالت ملزم کو سزائے قید دے سکتی ہے جو کم از کم چار سال اور زیادہ سے زیادہ پچیس سال ہو سکتی ہے اس کے علاوہ تیس کوڑے بھی لگائے جا سکتے ہیں۔

شادی پر مجبور کرنے' اغواء یا بھگا لے جانے کا مقدمہ

آرڈیننس کی دفعہ 11 میں مذکورہ بالا جرائم کی جو تعریف کی گئی ہے وہ حسب ذیل مفہوم رکھتی ہے۔ جو کوئی مرد کسی عورت کو اس نیت سے اغواء کر لیتا ہے یا بھگا لے جاتا ہے۔ کہ وہ اس عورت کو اس کی مرضی کے خلاف شادی پر مجبور کرے گا --- یا کسی سے مجبور کروائے گا --- اور جانتا ہے کہ اغواء کنندہ اپنی پسند کی شادی کے لئے مغویہ کو مجبور کرتے ہوئے اسے جنسی تشدد کا نشانہ بھی بنا سکتا ہے یا کوئی اور مغویہ سے جنسی تشدد کر سکتا ہے تو ایسے شخص کو عمر قید کی سزا دی جا سکتی ہے۔ سزائے قید کے ساتھ تیس کوڑے لگانے کا حکم بھی دیا جا سکتا ہے اور جرمانہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

طوائف بنانے کیلئے عورت کی خرید و فروخت کے مقدمات

محبت کی شادی کی غرض سے مردوں کے ساتھ بھاگ جانے یا اغواء ہو جانے والی خواتین کے عزیز و اقارب بعض اوقات لڑکی سے تعلقات کے شبہ کی بنیاد پر متعلقہ افراد کے خلاف جرم زناء (نفاذ حدود) آرڈیننس کی دفعات 13 اور 14 کے تحت مقدمات درج کروا دیتے ہیں۔

مذکورہ آرڈیننس کی دفعہ 13 میں کہا گیا ہے کہ اگر کوئی کسی عورت یا فرد کو اس مقصد اور اس نیت کے ساتھ کہ طوائف بنا دیا جائے یا اس کے ساتھ غیر قانونی جنسی عمل کیا جائے گا' کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے یا کسی رقم کے عوض کسی خاص مدت کے لئے اس کے حوالے کر دیتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ وہ اس فرد کو غیر

اخلاقی اور غیر قانونی طور پر مذکورہ مذموم مقاصد کے لئے استعمال کرے گا تو ایسے شخص کو عمر بھر قید کی سزا دی جائے گی۔ اس کے علاوہ تیس کوڑے بھی لگائے جائیں گے اور جرمانہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

اگر کوئی فرد اپنے ہمراہ آئی ہوئی عورت کو کسی قحبہ خانے میں فروخت کر دیتا ہے یا کسی خاص شرط ادائیگی رقم کے عوض قحبہ خانہ والوں کے حوالے کر دیتا ہے۔ تو قانون کی نظر میں یہی خیال کیا جائے گا کہ ملزم نے اس خاتون کو غیر اخلاقی' غیر قانونی مقاصد اور طوائف بازی کے لئے جان بوجھ کر ان کے سپرد کر دیا ہے لہٰذا وہ دفعہ 13 کے تحت جرم کا مرتکب گردانا جائے گا۔

اسی طرح دفعہ 14 طوائف بازی کے لئے عورتوں کی خریداری کو جرم قرار دیتی ہے۔ جو شخص اوپر بیان کئے گئے غیر قانونی اور غیر اخلاقی مقاصد کے لئے کسی عورت کو خریدتا ہے اس کی سزا فروخت کرنے والے کے مساوی ہے یعنی اسے بھی عمر قید کی سزا بھگتنا پڑے گی۔ تیس کوڑے کھانا پڑیں گے اور جرمانہ اس کے علاوہ ہو گا۔

اگر کوئی طوائف قحبہ خانہ یا ایسا ہوسٹل چلا رہی ہے۔ اور وہ گھر سے نکلی ہوئی کسی خاتون کو اپنے قبضے یا "پناہ" میں لے لیتی ہے۔ تو اس کے بارے میں بھی قانون یہی تصور کرے گا کہ اس نے یہ جرم جان بوجھ کر لیا ہے اور اس کا مقصد زیر قبضہ خاتون سے بطور طوائف غیر اخلاقی اور غیر قانونی جنسی فعل پر مجبور کرنا ہے۔

شادی شدہ ہو جانے کا دھوکہ دے کر بیوی بنا لینے کا جرم

پسند کی شادی کا سبز باغ دکھا کر بعض لوگ بھولی بھالی لڑکیوں کو گھروں سے بھگا لے جاتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ وہ باقاعدہ شادی کے بجائے محض اپنی ہوس کی تسکین کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ بہت سے ایسے معاملات بھی سامنے آئے ہیں کہ مجرمانہ ذہنیت کے لوگ محبت کا چکر دے کر شادی کے نام پر بہلا پھسلا کر لڑکیوں کو ان کے گھروں سے بھگا کر لے گئے۔ بعد ازاں انہیں بظاہر مطمئن کرنے کے لئے چند ہمراز دوستوں کو اکٹھا کرکے لڑکی کے ساتھ باقاعدہ نکاح کا ڈرامہ رچایا اور اسے دھوکہ دیا

کہ اب ہم قانونی طور پر شادی کے بندھن میں بندھ چکے ہیں اور لڑکی کو یقین دلا کر کہ اب وہ جائز بیوی بن گئی ہے وظیفہء زوجیت کے غیر قانونی پردے میں اپنی ہوس پوری کرنے لگے۔ جرم زناء (نفاذ حدود) آرڈیننس کی دفعہ 15 میں شادی کا دھوکہ دے کر اور بیوی ہونے کا یقین دلا کر کسی عورت کے ساتھ جنسی تعلق کو جرم قرار دیا گیا ہے اور اس جرم کی سزا 25 سال مقرر کی گئی ہے۔ جرم کی شدت اور نوعیت کے پیش نظر مجرم کو تیس تک کوڑوں اور جرمانے کی اضافی سزا بھی دی جا سکتی ہے۔

عورت کو بدنیتی سے پھسلا کر لے جانے کا جرم

مذکورہ آرڈیننس کی دفعہ 16' ان مجرموں سے متعلق ہے جو پسند کی شادی یا کوئی دوسرا سبز باغ دکھا کر بہلاتے پھسلاتے ہیں اور غیر قانونی جنسی تعلقات کے لئے بھگا لے جاتے ہیں۔ ازروئے قانون جو کوئی شخص کسی کو یہ جانتے یا باور کرتے ہوئے کہ وہ دوسرے شخص کی زوجہ ہے یا پھر یہ کہ غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں یہ جانتے ہوئے کہ اپنے والدین یا ولی کی تحویل میں ہے' بدنیتی کی بنیاد پر ناجائز جنسی تعلقات قائم کرنے کی غرض سے بہلا پھسلا کر گھر سے بھگا لے جاتا ہے اور جماع کرواتا ہے یا اس غرض سے اسے کسی جگہ روکے رکھتا ہے' اسے جرم ثابت ہونے پر حدود آرڈیننس کی دفعہ 16 کے تحت اسے سات سال تک سزائے قید دی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ جرم کی نوعیت کے مطابق عدالت سے تیس تک کوڑوں کی اضافی سزا کے ساتھ ساتھ اپنی صوابدید کے مطابق جرمانہ بھی کر سکتی ہے۔

سنگسار کرنے کا طریقہ

جرم زناء (نفاذ حدود) آرڈیننس کی دفعہ 17 میں سنگسار کرنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ اگر کسی شخص پر اس باب میں زیر بحث آنے والے جرم زناء یا زناء بالجبر کا جرم عدالت میں ثابت ہو جائے اور عدالت اسے حد کی سزا سنا دے تو اس حد پر مندرجہ ذیل طرح سے عمل درآمد کیا جائے گا۔

مجرم کے خلاف جن گواہوں نے عدالت میں شہادت دی تھی اگر وہ دستیاب

ہوں تو سنگسار کی سزا پر عملدر آمد کے لئے مجرم کو پتھر مارنے کا آغاز وہی گواہ کریں گے۔ اس کے بعد دوسرے لوگ بھی اس عمل میں شامل ہو سکتے ہیں۔ سنگسار کے عمل کے دوران ہی مجرم کو فائرنگ سے ہلاک کیا جا سکتا ہے۔ مجرم کی موت واقع ہوتے ہی پتھراؤ اور فائرنگ بند کر دی جائے گی۔

اگر سزائے موت پانے والی شخصیت کوئی عورت ہے اور ڈاکٹری ملاحظہ سے ثابت ہو کہ وہ حاملہ بھی ہے تو بچے کی پیدائش یا اس مدت تک جب تک کہ نوزائیدہ بچے کو دودھ پلانا ضروری ہو' ہائی کورٹ ایسی حاملہ عورت کی سزا کو ملتوی کر سکتی ہے۔ اور اپنی صوابدید اور حالات کی روشنی میں سزائے موت کو عمر قید میں بھی تبدیل کر سکتی ہے۔ اس رعایت کی تفصیل ضابطہ فوجداری پاکستان کی دفعہ 382 میں دیکھی جا سکتی ہے۔

کوڑے لگانے کا طریقہ

ضابطہ فوجداری کی دفعہ 391 میں کوڑے لگانے کا طریقہ کار بیان کیا گیا ہے۔ قانون کے مطابق کوڑوں کی سزا کے خلاف اگر ملزم نے اپیل دائر کر دی ہو تو تا فیصلہ سزا معطل رہے گی۔ بصورت دیگر سزا سنائے جانے کے پندرہ روز گزر جانے کے بعد کسی روز بھی کوڑوں کی سزا پر عملدر آمد ہو گا۔

اگر کسی جج یا مجسٹریٹ نے یہ حکم جاری نہ کیا ہو کہ کوڑے صرف اس کی موجودگی میں لگائے جائیں تو جیل کا انچارج اپنی نگرانی اور موجودگی میں کوڑے لگوائے گا۔ اگر قید کی سزا تین ماہ سے کم ہے تو اس کے ساتھ اضافی طور پر کوڑوں کی سزا نہیں دی جا سکتی۔

دفعہ 392 میں تحریر ہے کہ ایک ہلکے چابک سے جس کا قطر آدھے انچ سے کم نہیں ہو گا اور یہ کوڑے اس طریقے اور بدن کے اس حصے پر لگائے جائیں گے جس کی تفصیل حکومت اپنی صوابدید کے مطابق جاری کرے گی۔ اور یہ 16 سال سے زیادہ عمر کے مجرم کے لئے الگ اور 16 سال سے کم عمر کے مجرم کے لئے الگ الگ ہو گی۔

آرڈیننس نمبر 9 مجریہ 1979ء کی دفعہ 4 میں تحریر ہے کہ یہ کوڑا چمڑے' بانس (کین) یا درخت کی شاخ سے بنایا جا سکتا ہے۔ اس میں کوئی جوڑ یا گانٹھ نہیں ہونا چاہئے اور اس کی لمبائی اور چوڑائی بالترتیب 1.22 میٹر اور 1.25 سینٹی میٹر ہونا چاہئے۔ دفعہ 5 میں تحریر ہے کہ سزا پر عمل سے قبل ڈاکٹر مجرم کا طبی معائنہ کرے گا۔ اگر مجرم کمزور یا بوڑھا ہے تو کوڑے وقفوں وقفوں سے اس انداز کے ساتھ لگائے جائیں گے کہ مجرم کی موت واقعہ نہ ہو جائے۔

اگر مجرم بیمار ہے تو جب تک ڈاکٹر اسے کوڑے سہنے کے قابل قرار نہ دے دے۔

اگر مجرم حاملہ عورت ہے تو بچہ کی پیدائش کے دو ماہ بعد کوڑے لگائیں جائیں گے اور اگر بچہ پیدا ہونے کے بجائے حمل ضائع ہو جائے تو پھر اس کے دو ماہ بعد سزا پر عمل ہو گا۔ عورت کو کوڑوں کی سزا صرف عورتوں کے ذریعے اور ان کی ہی موجودگی میں دی جائے گی۔ کوڑے لگانے والا شخص غیر جانبدار اور ذہنی طور پر بالغ ہونا چاہئے۔ جو اپنے ہاتھ کو اپنے سر کی اونچائی سے نیچے رکھتے ہوئے درمیانی قوت سے کوڑے لگائے اس طرح کہ مجرم کی کھال ادھڑنے سے محفوظ رہے۔

کوڑے اس طرح مارے جائیں کہ مجرم کا سر' چہرے' معدہ' چھاتی اور بدن کے نازک حصے کوڑے کی ضرب سے محفوظ رہیں۔

اسلام بدن کو ننگا کر کے کوڑے مارنے کو ممنوع قرار دیتا ہے لہٰذا جب کوڑے لگائے جائیں اس وقت مجرم کے بدن پر کپڑے موجود ہونا چاہئیں۔

مرد مجرم کو کھڑا کر کے اور عورت مجرمہ کو بٹھا کر کوڑے لگائے جائیں۔

اگر کوڑے لگانے کے عمل میں میڈیکل افسر محسوس کرے کہ سزا جاری رہی تو مجرم کی موت واقع ہو سکتی ہے تو وہ سزا کو معطل کرنے کی ہدایت دے سکتا ہے۔ باقی ماندہ سزا پر اس وقت عمل ہو گا جب ڈاکٹر یہ سرٹیفکیٹ جاری کر دے کہ اب باقی ماندہ کوڑے لگانے سے مجرم کی زندگی کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو گا۔

اگر ڈاکٹر محسوس کرے کہ بقایا سزا دی گئی تو زندگی کا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے تو

معاملہ عدالت کو بھیجا جائے گا اور عدالت کے فیصلے کے مطابق عمل ہو گا۔

کوڑوں کی سزا کی منسوخی کا قانون

15- اپریل 1996ء کو پارلیمنٹ نے ایک قانون پاس کیا جس کا نام کوڑوں کی سزا کی منسوخی کا قانون مجریہ 1996 ہے۔ اس قانون کا بنیادی مقصد کوڑے لگانے کی سزا کو ختم کرنا یا محدود کرنا بیان کیا گیا۔ اس قانون کی دفعہ 3 کہا گیا ہے کہ ماسوائے حد کے سزا کے، باقی تمام جرائم میں کسی بھی رائج الوقت قانون، رول یا ضابطے کے تحت کوڑے لگانے کی سزا ختم کی جاتی ہے۔ اسی دفعہ میں یہ بھی صراحت کی گئی ہے کہ وہ مجرم جنہیں پہلے سے کوڑے لگانے کی سزا سنائی جا چکی ہے لیکن ابھی اس سزا پر عمل در آمد نہیں ہوا ہے، ان کی یہ سزا بھی ختم تصور ہو گی۔

اس قانون کی دفعہ 2 میں واضح کیا گیا ہے کہ حد سے مراد وہ سزا ہے جس کا حکم قرآن و سنت سے ثابت ہے۔

1996ء کے مذکورہ بالا قانون کے نفاذ کے بعد پسند کی شادی کے سلسلے میں قائم مقدمات میں بھی، جن کا تفصیلی ذکر ہو چکا ہے، بطور تعزیر کوڑے لگانے کی سزا ختم ہو گئی ہے البتہ زناء کا جرم ثابت ہو جانے پر بطور حد کوڑوں کی سزا برقرار ہے۔ (پی ایل ڈی 1996ء، مرکزی قوانین صفحہ 1338)

ضمانت کے معاملات اور عدالتی فیصلے

پسند کی شادی کر لینے پر' لڑکی اور لڑکے دونوں کے خلاف عمومی طور پر اور لڑکے کے خلاف خصوصی طور پر بہت سے مقدمات درج کروا دیئے جاتے ہیں۔ یہ مقدمات قابل دست اندازی پولیس ہوتے ہیں لہٰذا پولیس عام طور پر لڑکے کو اور کبھی کبھی لڑکی اور لڑکے دونوں کو گرفتار کر لیتی ہے تاکہ ان سے غیر قانونی شادی اور اغواء یا زناء جیسے جرائم کے ارتکاب سے متعلق تفتیش کر سکے۔ حقائق اور شہادت جمع کر سکے اور یہ دونوں اگر مجرم ثابت ہو رہے ہوں تو انہیں حد یا تعزیر کی سزا دلوا کر جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھیج سکے۔

مندرجہ بالا مقدمات میں گرفتاری کے بعد لڑکی اور لڑکے کے بہی خواہ سرگرم ہو جاتے ہیں اور متعلقہ عدالتوں میں ان کی ضمانت پر رہائی کے لئے درخواستیں دائر کر دی جاتی ہیں جو ابتدائی طور پر مجسٹریٹ یا سیشن عدالتوں میں زیر سماعت آتی ہیں اور یہاں سے نامنظور ہو جانے کے بعد عدالت عالیہ تک پہنچتی ہیں۔ عدالت عالیہ اور عدالت عظمٰی کے بہت سے فیصلے ہیں جو اس ضمن میں رہنما اصول متعین کرتے ہیں۔ گزشتہ دو تین سال میں ہونے والے ایسے چند فیصلوں کا تذکرہ معلومات میں اضافے کا باعث

بنے گا۔

کم عمری

سپریم کورٹ نے زناء کے ایک مقدمے میں قرار دیا کہ ملزم کی عمر چونکہ کم ہے جس کا ثبوت اس کے سکول کے سرٹیفکیٹ سے ملتا ہے جو کہ سولہ سال سے کم ہے لہٰذا ملزم کو ضمانت پر رہا کرنے کے احکامات جاری کئے جاتے ہیں۔ (1995ء پاکستان سپریم کورٹ کیسز (کرمنل) 39)

بزرگی

اسی طرح ایک معمر بزرگ اور بیمار عورت کو بھی ضمانت کا مستحق قرار دیا گیا۔ (1995ء ایس سی ایم آر 1165)

عمر کا کم یا زیادہ ہونا بنیادی طور پر ضمانت کا استحقاق نہیں بن سکتا۔ لہٰذا اس کے ساتھ ساتھ مقدمہ کے کچھ ایسے دوسرے حالات و واقعات کی نشاندہی بھی ضروری ہوتی ہے جن کی بنیاد پر ملزم کی بے گناہی کے اشارے ملتے ہوں۔

چالان میں تاخیر

پولیس بعض اوقات زناء کے مقدمات کو حتمی شکل دے کر عدالت تک لے جانے میں کئی ماہ کی تاخیر کر دیتی ہے جو قانون کی منشاء سے برعکس ایک عمل ہے۔ عدالت عالیہ نے ایک ایسے ہی کیس میں جہاں تاخیر کا عرصہ ایک سال سے زیادہ ہو چکا تھا' قرار دیا کہ پولیس کا یہ فرض ہے کہ وہ جلد از جلد چالان مکمل کر کے مقدمہ عدالت میں لے جائے۔ اس سلسلہ میں پولیس کے نااہلی کی سزا ملزم کو نہیں دی جا سکتی لہٰذا ضمانت منظور کی جاتی ہے۔ (این ایل آر 1995ء ایس ڈی 277)

لیکن یہ یاد رہے کہ مذکورہ بالا تاخیر میں خود ملزم کا ہاتھ نہیں ہونا چاہئے۔ اگر تاخیر ملزم کے عدم تعاون کی وجہ سے ہو رہی ہو تو اس تاخیر کو بنیاد بنا کر ضمانت پر رہائی قرین انصاف نہ ہو گی۔ ہاں خود ملزم اس تاخیر میں ملوث نہ ہو تو ایک خاص مدت گزر

جانے کے بعد ضمانت پر رہائی اس کا قانونی حق بن جاتی ہے۔ (1995ء ایم ایل ڈی 118)

ایف آئی آر درج کروانے میں تاخیر

عام فوجداری مقدمات میں اگر وقوعہ کے بعد پہلی ترجیح کے طور پر تھانے میں واردات کی اطلاع نہ دی جائے تو ضمانت کی حد تک اس تاخیر کو خاصا وزن دیا جاتا ہے اور بعض اوقات محض ایف آئی آر کے اندراج میں تاخیر کو بنیاد بنا کر ہی ملزم کو ضمانت پر رہا کر دیا جاتا ہے۔ لیکن حدود کے مقدمات میں اعلیٰ عدالتوں نے اس سے مختلف ردعمل کا اظہار کیا ہے اور قرار دیا ہے کہ ہمارے ملک میں، جہاں کسی لڑکی کے اغواء ہو جانے یا زناء جیسے الزامات ہوں، اس کے خاندان کی عزت اور وقار کے لئے تباہ کن ثابت ہوتے ہیں۔ لہٰذا لوگ عام طور پر پولیس کی طرف بھاگنے کے بجائے اپنے طور پر لڑکی کو تلاش کرنے اور معاملات کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنی کوششوں میں ناکامی پر پولیس سے رجوع کرتے ہیں لہٰذا ایسے معاملات میں ایف آئی آر کے اندراج میں تاخیر کو بنیاد بنا کر ضمانت کے لئے عدالت سے رجوع کرنا ہر کیس میں قرین انصاف نہیں ہو گا۔ (1995ء لاء نوٹس 1066)

محمد سرور بنام سرکار کیس میں بھی عدالت عالیہ نے اسی نظریئے کی تائید کی اور قرار دیا کہ پاکستان کے معاشرتی حالات کے تحت لڑکیوں کے بھاگ جانے یا اغواء پر عزیز و اقارب خاندان کی عزت اور وقار کے پیش نظر پولیس کے پاس جانے سے پہلے لڑکی کو تلاش کرنے کی حتی الامکان خود کوشش کرتے ہیں ایسی ایف آئی آر میں تاخیر کو وجہ ضمانت بنانا درست نہ ہو گا۔ (کے ایل آر 1995ء شریعت کیس 105)

حق بلوغت

ایک نابالغہ شادی شدہ لڑکی بالغ ہو کر اپنی شادی کو مسترد کر دے اور اپنی پسند سے دوسری شادی کر لے اور اس پر زناء کا مقدمہ قائم ہو جائے تو کیا عدالت اسے ضمانت پر رہا کر دے گی۔ اس سوال کا جائزہ سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ میں کئی بار لیا جا چکا ہے اور یہ اصول طے کر دیا گیا ہے کہ نابالغ لڑکی کو بلوغت کے بعد اپنی شادی کو

مسترد کر دینے کا قانونی حق حاصل ہے اور شادی مسترد کر دینے کا اعلان وہ کسی عدالت میں جائے بغیر از خود کر سکتی ہے اور اس کے بعد اپنی پسند کی شادی کرنے میں آزاد ہے۔ ان حالات میں اگر اس پر زناء کا مقدمہ بنا دیا جائے تو حالات و واقعات کی روشنی میں اسے ضمانت پر رہا کر دینا قرین انصاف ہے۔ (1995ء ایم ایل ڈی 1439)

اہل خاندان کے بغیر ضمانت

مہتاب بنام سرکار کیس میں لڑکی اور لڑکے کے خلاف حدود کے مقدمے میں لڑکے کی ضمانت منظور ہو گئی جبکہ لڑکی کی ضمانت کے ساتھ یہ شرط عائد کی گئی کہ لڑکی کو ضمانت پر صرف اسی وقت رہا کیا جائے جب اس کا باپ' ماں' ماموں یا پھر کوئی ایسا محرم رشتہ دار اس کا ضامن بنے جس کے ساتھ ملزمہ لڑکی کی شادی نہ ہو سکتی ہو۔ لیکن لڑکی نے ایسا ضامن قبول کرنے اور مذکورہ رشتہ داروں کے ساتھ رہائش رکھنے سے انکار کر دیا اور ضمانت پر رہائی کے بجائے جیل جانے کو ترجیح دی۔ لڑکی کے تقریباً" ایک ماہ تک جیل میں رہنے کے بعد عدالت نے حکم میں ترمیم کرتے ہوئے قرار دیا کہ لڑکی اپنے ساتھی ملزم لڑکے کے علاوہ کسی بھی دیگر شخص کو ضامن مقرر کر کے ضمانت پر رہا ہو سکتی ہے۔ (1970ء سپریم کورٹ 299) (پی ایل ڈی 1995ء سپریم کورٹ (آزاد جموں کشمیر) 70)

دودھ پیتا بچہ اور تبدیلیٔ مذہب

صفیہ بی بی بنام محمد عارف اے ایس آئی وغیرہ کیس میں قرار دیا کہ لڑکی کا موقف یہ ہے کہ اس نے اسلام قبول کر کے اپنی پسند کی شادی کر لی تھی اس لئے اس کا سابقہ غیر مسلم خاوند اور دوسرے سسرالی رشتہ دار اس کے دشمن بن گئے ہیں اور اس کے خلاف زناء کا جھوٹا مقدمہ دائر کروا دیا گیا ہے تاکہ وہ دباؤ میں آکر اسلام سے منہ موڑ لے اور اپنے قانونی مسلم خاوند سے قطع تعلق کر لے۔ قبول اسلام اور نکاح کی تواریخ کا تعلق واقعات کی چھان بین سے تعلق رکھتا ہے اور یہ تحقیق ہائی کورٹ کے دائرۂ اختیار سے باہر ہے (اور نچلی عدالت میں ممکن ہے) ویسے بھی ملزمہ ایک

دودھ پیتے بچے کی ماں ہے لہٰذا ضمانت کی مستحق ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ پولیس کی تفتیش میں شامل رہے۔ (1997 ایم ایل ڈی 158)

نکاح اور تبدیلیٴ مذہب

الیاس حسین بنام سرکار کیس میں عدالت عالیہ نے قرار دیا کہ ملزم نے ایک عورت سے اس وقت شادی کی جب اس کا خاوند اسے طلاق دے چکا تھا۔ اب عورت کے سابقہ خاوند کا یہ موقف کہ اس نے ایک قادیانی سے شادی کر لی ہے لہٰذا وہ زناء کی مرتکب ہو رہی ہے' ابھی قابل غور نہیں ہے۔ کیونکہ ابھی یہ بات طے نہیں ہوئی کہ اس نے شادی سے قبل اسلام قبول کر لیا تھا یا نہیں۔۔۔ پولیس اپنی تفتیش میں ملزمان کو بے گناہ قرار دے چکی ہے اور اس دوران ان کے ہاں ایک بچہ بھی پیدا ہو چکا ہے۔ ان حالات میں ابھی اس مقدمے میں مزید تحقیق کی ضرورت نہیں ہے لہٰذا ضمانت منظور کی جاتی ہے۔ (1995ء پاکستان کریمنل لاء جرنل 1080)

نکاح اور عائلی مقدمات کی موجودگی

عدالت عالیہ نے پسند کی شادی پر قائم کردہ زناء کے ایک مقدمے میں ملزم کی ضمانت منظور کرتے ہوئے قرار دیا کہ قانونی شادی کے انعقاد کا معاملہ پہلے ہی عدالت میں چل رہا ہے' اس امر کو خارج از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا کہ وہاں یہ شادی جائز اور قانونی قرار پا جائے۔ ان حالات میں ملزم کو جو 19 ماہ سے جیل میں ہے' ضمانت پر رہا کرنا قرین انصاف ہے۔ (1995ء ایم ایل ڈی 229)

نکاح رجسٹریشن اور عدم رجسٹریشن

زناء کے ایک اور مقدمے مہتاب حسین بنام سرکار میں آزاد کشمیر سپریم کورٹ نے قرار دیا کہ ملزم لڑکی اور لڑکے کی باہمی شادی کا باقاعدہ رجسٹرڈ نکاح موجود ہے جبکہ ایک دوسرا شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی شادی اسی لڑکی سے پہلے ہو چکی ہے اور وہ اس کی بیوی ہے لیکن ان کا نکاح زبانی ہوا تھا۔ قانون کے مطابق اسے رجسٹر نہیں

کروایا گیا تھا۔ ان حالات میں پہلے نکاح والا معاملہ مزید تحقیق کا متقاضی ہے۔ ایف آئی آر درج کروانے میں بھی پانچ روز کی تاخیر کی گئی ہے لہٰذا ملزم کو ضمانت پر رہا کیا جاتا ہے۔ (1995ء سپریم کورٹ (آزاد جموں اینڈ کشمیر) صفحہ 70)

نکاح کا جواز

اعجاز حسین شاہ بنام سرکار کیس میں زناء کے ملزم کو ضمانت پر رہا کرتے ہوئے عدالت نے قرار دیا کہ اغواء شدہ لڑکی کی عمر اٹھارہ یا انیس سال ہے اور وہ ملزم لڑکے کے ساتھ اپنی مرضی سے شادی کر چکی ہے۔ لڑکے نے اعادہ حقوق زن آشوئی کا دعویٰ بھی فیملی کورٹ میں دائر کیا تھا۔ جس میں لڑکی نے لڑکے کے حق میں بیان دیا اور باہمی رضامندی کی بنیاد پر اس مقدمہ کا فیصلہ لڑکے کے حق میں ہو چکا ہے۔ پولیس لڑکے کو زناء کے مقدمے میں مفرور قرار دے چکی ہے۔ ان حالات میں لڑکے کو گرفتار کر کے جیل میں بھیج دینا مفید دکھائی نہیں دیتا لہٰذا اسے ضمانت پر رہا کیا جاتا ہے۔ (1995ء پاکستان کرمنل لاء جرنل 16)

گھر سے دور نکاح

ظفر اقبال بنام سرکار کیس میں زناء کے مقدمے سے ملزم کو ضمانت پر رہا کرتے ہوئے عدالت نے قرار دیا۔ اگر نکاح لڑکی کی رہائش یا قرب و جوار کے بجائے وہاں سے دور کسی دوسرے مقام پر منعقد ہوا ہو تو اسے بادی النظر میں جعلی نہیں کہا جا سکتا۔ ملزم نے نیک نیتی کے ساتھ شادی کا موقف احسن طریقے سے پیش کیا ہے لہٰذا حالات و واقعات کی روشنی میں ملزم کی ضمانت منظور کی جاتی ہے۔ (1995ء پاکستان کرمنل لاء جرنل 943)

نکاح اور پولیس کا اثر

زاہدہ بی بی بنام سرکار کیس میں عدالت نے قرار دیا کہ ایف آئی آر میں بیان کردہ کہانی ناقابل یقین ہے۔ ملزمہ جائز نکاح پر اصرار کرتی ہے جبکہ ظاہر یہ ہوتا ہے

کہ تفتیشی پولیس افسر نے اپنے سرکاری اثر کے تحت نکاح رجسٹرار اور شادی کے گواہوں سے بیان حلفی حاصل کر کے جائز نکاح کو جھٹلانے کی کوشش کی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے ہائی کورٹ میں مذکورہ بیانات حلفی سے انکار کر دیا ہے۔ ملزمہ ایک عورت ہے اور پولیس کے ہاتھوں اس کی گرفتاری اس کے لئے مزید بے عزتی کا باعث بن سکتی ہے' اس لئے اسے ضمانت پر رہا کیا جاتا ہے۔ (1995ء پاکستان کریمنل لاء جرنل 1525)

نکاح پر تحقیق کی ضرورت

ایسے ہی ایک اور کیس میں عدالت عالیہ نے حکم جاری کیا کہ چونکہ باقاعدہ ایک نکاح نامہ مقدمہ کے ریکارڈ پر موجود ہے۔ اس لئے اس کیس میں یہ تحقیق ضروری ہو گئی ہے کہ فریقین کا نکاح واقعی منعقد ہوا تھا۔ یا وہ زناء کے جرم کے مرتکب ہوئے ہیں۔ لہٰذا چونکہ یہ کیس مزید تحقیق کا متقاضی ہے لہٰذا ملزم ضمانت کا حق دار ہے۔ (کے ایل آر 1995ء شریعت کیسز 102)

نکاح پر نکاح

نکاح پر نکاح کے ایک مقدمے میں عدالت عالیہ نے ریمارکس دیتے ہوئے تحریر کیا کہ ایک نکاح کی موجودگی میں دوسرا نکاح کوئی قانونی حیثیت نہیں رکھتا۔ لہٰذا دوسرے نکاح کی بنیاد پر فریقین کا بطور میاں بیوی رہنا بادی النظر میں ایک مجرمانہ فعل دکھائی دیتا ہے اس لئے ملزمان کی درخواست ضمانت مسترد کی جاتی ہے۔ (کے ایل آر 1995 شریعت کیسز 75)

نابالغہ کا نکاح

پسند کی شادی کے ایک مقدمے میں موقف اختیار کیا گیا کہ لڑکی چونکہ نابالغ ہے اس لئے خود نکاح کرنے کی اہل نہیں ہے۔ لہٰذا اس کا نکاح جائز اور قانونی نہیں اور فریقین زناء کے مرتکب ہوئے ہیں۔ عدالت عالیہ نے قرار دیا کہ چونکہ مقدمہ کے

ریکارڈ پر ایسی کوئی دستاویز موجود نہیں ہے جس سے لڑکی کا نابالغ ہونا ثابت ہوتا ہو۔ لہٰذا سردست یہ موقف درست تسلیم نہیں کیا جا سکتا اور لڑکی کو ضمانت پر رہا کیا جاتا ہے۔ (کے ایل آر 1995ء شریعت کیسز 21)

نکاح کے بعد ایف آئی آر

محمد یونس بنام سرکار کیس میں عدالت عالیہ نے قرار دیا کہ لڑکی اور لڑکے کا نکاح قانونی تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے رجسٹر ہو چکا تھا۔ جبکہ زناء کی ایف آئی آر بعد میں درج ہوئی۔ ملزم نہ تو کوئی عادی مجرم ہے اور نہ ہی پہلے کا سزا یافتہ ہے۔ صرف مذکورہ بالا الزام کے تحت پانچ ماہ سے جیل میں ہے۔ تمام متعلقہ حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسے ضمانت پر رہا کیا جاتا ہے۔ (1995 ایم ایل ڈی 1290)

نکاح کا حلفیہ بیان

پسند کی شادی کر لینے پر ایک شخص اس دعویٰ کے ساتھ سامنے آیا کہ وہ پسند کی شادی کر لینے والی لڑکی پہلے ہی سے اس کے ساتھ بیاہی ہوئی ہے۔ لہٰذا اس پسند کے نکاح کو غیر قانونی قرار دیا جائے۔ لیکن جج فیملی کورٹ کی عدالت میں وہ یہ اپنا دعویٰ تکذیب نکاح ثابت نہیں کر سکا۔ اس کے باوجود پسند کی شادی کرنے والا جوڑا زناء کے الزام کے تحت کارروائی کا سامنا کر رہا ہے۔ ان حالات میں عدالت عالیہ نے قرار دیا کہ لڑکی نے حلف پر بیان کیا ہے کہ اس نے ملزم کے ساتھ جائز نکاح کیا ہے لہٰذا ان حالات میں مزید تحقیق لازم ہو گئی ہے' ملزم کی ضمانت منظور کی جاتی ہے۔ (1995ء پاکستان کریمنل لاء جرنل 675)

زبردستی نکاح کا الزام

محمد رمضان بنام سرکار کیس نے عدالت نے قرار دیا کہ لڑکی اور لڑکا آپس میں نکاح کر چکے ہیں جبکہ مخالف فریق یہ الزام لگاتا ہے کہ ملزم نے لڑکی سے زبردستی نکاح کیا ہے۔ لڑکا زائد از دس ماہ سے جیل میں ہے۔ وہ کوئی عادی مجرم بھی نہیں ہے اور

پولیس کو بھی مطلوب نہیں ہے۔ ان حالات میں اس کی ضمانت منظور کرنا قرین انصاف ہے۔ (1994ء پاکستان کرمنل لاء جرنل 1889)

اصلی نکاح نامہ

برکت بی بی بنام سرکار میں قرار دیا گیا کہ خود لڑکی کے خلاف حدود کا مقدمہ درج ہے۔ اس کا مقدمہ مزید تحقیق کا طلبگار ہے۔ پولیس کی تفتیش کے مطابق اس کی شادی کا نکاح نامہ اصلی پایا گیا ہے۔ ویسے بھی عورت ہونے کے حوالے سے دفعہ 497 (I) ضابطہ دیوانی کے تحت منظوری ضمانت کی حقدار ہے۔ (1994ء ایم ایل ڈی 1302)

نکاح اور بے گناہی

ناصر علی بنام سرکار کیس میں قرار دیا گیا کہ پولیس کی تحقیقاتی ایجنسیوں کے مطابق لڑکی اور لڑکا دونوں بے گناہ ہیں اور میاں بیوی پائے گئے ہیں لہٰذا ضمانت منظور کی جاتی ہے۔ (1994ء پاکستان کرمنل لاء جرنل 1080)

نکاح تسلیم

محمد ارشد بنام سرکار میں قرار دیا گیا کہ ملزم لڑکا اور ملزمہ لڑکی دونوں کا موقف ہے کہ ان کا آپس میں نکاح ہو چکا ہے۔ دونوں نکاح کو پوری طرح سے تسلیم کرتے ہیں لہٰذا ان کی ضمانت منظور کی جاتی ہے۔ (1994ء پاکستان کرمنل لاء جرنل 1890)

نکاح اور عمر

الطاف حسین بنام سرکار میں قرار دیا گیا کہ مغویہ لڑکی اور ملزم کا نکاح متنازعہ نہیں ہے۔ سوال صرف یہ زیر غور ہے کہ لڑکی بالغ ہے یا نابالغ۔ طبی معائنے اور میٹرک کے سرٹیفکیٹ سے بظاہر یہی ظاہر ہو رہا ہے کہ لڑکی بالغ ہے۔ ان حالات میں مقدمہ مزید تحقیقات کا متقاضی ہے لہٰذا ملزم کی ضمانت منظور کی جاتی ہے۔ (1994ء ایم ایل ڈی 1776)

نکاح اور رہائش

خان امیر خان بنام سرکار میں عدالت عالیہ نے قرار دیا کہ تفتیشی افسر کے بیان کے مطابق مغویہ لڑکی کو ملزم کے ساتھ رہائش رکھے ہوئے پایا گیا۔ لڑکی نے بتایا کہ اس نے ملزم سے شادی کر لی ہے۔ نکاح نامہ قانون کے مطابق رجسٹرڈ پایا گیا۔ ملزم نہ تو عادی مجرم ہے اور نہ ہی پولیس کو مطلوب ہے' ان حالات میں اس کی درخواست ضمانت منظور کی جاتی ہے۔ (1994ء پاکستان کریمنل لاء جرنل 1017)

مفرور ملزم

عدالت عالیہ نے قرار دیا کہ اگر زناء کے مقدمے میں ملوث لڑکا مفرور قرار دیا جا چکا ہو اور لڑکی جیل میں ہو۔ اور شادی کر چکی ہو۔۔۔ تو اسے غیر معینہ مدت تک (یعنی جب تک لڑکا گرفتار نہ ہو جائے) سلاخوں کے پیچھے رکھنا بے فائدہ ہو گا۔ (1994ء لاء نوٹس 1158)

زبردستی' بلا ثبوت

محمد طارق بنام سرکار میں عدالت عالیہ نے قرار دیا کہ موقف اختیار کیا گیا ہے کہ ملزم نے مغویہ لڑکی سے زبردستی شادی کی ہے لیکن ابھی با اختیار اتھارٹی کے سامنے اس موقف کا ثابت ہونا باقی ہے۔ اس مقدمے میں ابھی مزید تحقیقات کی ضرورت ہے۔ اس لئے درخواست ضمانت منظور کی جاتی ہے۔ (1994ء پاکستان کریمنل لاء جرنل 1879)

تاخیر' بلا قابل قبول وضاحت

محمد شفیع بنام سرکار میں قرار دیا گیا کہ مبینہ طور پر مغویہ لڑکی اور ملزم کے درمیان نکاح کی موجودگی کو فریقین تسلیم کرتے ہیں۔ ملزم کے خلاف مقدمہ وقوعہ کے چھ ماہ بعد درج کروایا گیا اور اس طویل تاخیر کی کوئی قابل قبول وضاحت نہیں کی گئی۔

ملزم نہ تو سابقہ سزا یافتہ ہے' نہ عادی مجرم اور نہ ہی پولیس کو مطلوب ہے۔ ان حالات میں درخواست ضمانت منظور کی جاتی ہے۔ (1994ء پاکستان کرمنل لاء جرنل 2412)

نامکمل طلاق

پیر بخش عرف پیلا بنام سرکار کیس میں عدالت عالیہ نے قرار دیا کہ طلاق نامہ دیکھنے کے بعد ملزم نے شکایت کنندہ کی بیوی سے شادی کی۔ جبکہ لڑکی نے بھی بیان حلفی داخل کیا ہے کہ وہ ملزم سے شادی کے بعد ملزم کی جائز اور قانونی بیوی بن چکی ہے۔ طلاق کے بعد اگر اس کا نوٹس قانون کے مطابق متعلقہ چیئرمین یونین کونسل کو نہ بھیجا گیا ہو۔ تو یہ موقف اختیار نہیں کیا جا سکتا کہ طلاق کا عمل ابھی مکمل نہیں ہوا تھا۔ اس طرح کی طلاق کو غیر موثر نہیں قرار دیا جا سکتا۔ ان حالات میں یہ مقدمہ مزید تحقیق اور ملزم کو ضمانت پر رہا کر دینے کا متقاضی ہے۔ (1995ء پاکستان کرمنل لاء جرنل 1072)

رخصتی کے بغیر طلاق

شاہ دین بنام سرکار کیس میں عدالت عالیہ نے قرار دیا کہ اگر ایک لڑکی کا نکاح ہو چکا ہو لیکن رخصتی سے قبل اسے طلاق کا نوٹس بھیج دیا جائے۔ اس کے بعد وہ اپنی پسند کی شادی کر لے بعد ازاں سابقہ خاوند یہ دعویٰ کرے کہ اس نے رجوع کر لیا تھا جبکہ اس دوران نئی شادی کے نتیجہ میں لڑکی ایک بچے کی ماں بھی بن چکی ہو تو لڑکی ضمانت کو برقرار رکھنا قرین انصاف ہو گا کیونکہ رجوع کے معاملے میں حتمی رائے قائم کرنے کے لئے مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ (1995ء پاکستان کرمنل لاء جرنل 688)

غیر تسلی بخش نکاح نامہ

ایم افضل بنام سرکار کیس میں عدالت عالیہ نے قرار دیا کہ ملزم کے خلاف اغواء کرنے اور زناء کی نیت رکھنے کے الزامات ہیں۔ جبکہ ملزم کا موقف یہ ہے کہ

اس نے لڑکی سے باقاعدہ شادی کی ہے۔ شادی کی اور کوئی شہادت موجود نہیں ہے۔ نکاح نامہ کے بارے میں بھی ملزم عدالت کو مطمئن نہیں کر سکا کہ نکاح نامہ جعلی نہیں بلکہ اصلی ہے۔ ان حالات میں ضمانت منسوخ کی جاتی ہے۔ (کے ایل آر 1994ء شریعت کیسز 91)

لڑکی کا بیان

نذیر مسیح بنام سرکار کیس میں عدالت عالیہ نے قرار دیا کہ لڑکی نے زیر دفعہ 164 ضابطہ فوجداری لڑکے پر زناء بالجبر کا الزام عائد کیا ہے (جبکہ لڑکے نے لڑکی کی مرضی سے شادی کا موقف اختیار کیا) ریکارڈ سے شادی کا مستند ہونا نہیں پایا گیا۔ فریقین کے درمیان تکذیب نکاح اور اعادہ حقوق زن آشوئی کے مقدمات بھی زیر سماعت ہیں۔ لڑکی کے مذکورہ بیان کی روشنی میں محض مقدمات کی موجودگی سے نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ واقعی نکاح ہوا تھا لہٰذا درخواست ضمانت نامنظور کی جاتی ہے۔ (1994ء پاکستان کریمنل لاء جرنل 2541)

سوتیلی بیٹی سے شادی

خوشحال خان بنام سرکار میں قرار دیا گیا ہے کہ ایف آئی آر کے مطابق ملزم نے اپنی سوتیلی بیٹی کے ساتھ شادی کر لی ہے۔ ملزم کا یہ طرز عمل انتہائی غیر اخلاقی ہے۔ ویسے بھی یہ مقدمہ دفعہ 497 (1) ضابطہ فوجداری کی امتناعی شق میں آتا ہے لہٰذا ضمانت کی درخواست نامنظور کی جاتی ہے۔ (1994ء پاکستان کریمنل لاء جرنل 2544)

نکاح خوان عدم موجود

محمد افضل بنام سرکار کیس میں عدالت عالیہ نے قرار دیا کہ ملزم نے مغویہ لڑکی سے شادی کا موقف اختیار کیا ہے لیکن نہ تو تفتیشی افسر کے سامنے نکاح نامہ پیش کیا ہے نہ نکاح خوان کو لایا گیا ہے۔ لڑکی کا بیان بھی ملزم کے حق میں نہیں ہے لہٰذا ضمانت کی درخواست خارج کی جاتی ہے۔ (1994ء پاکستان کریمنل لاء جرنل 2054)

شادی پر شادی

زاہدہ پروین بنام سرکار کیس میں قرار دیا گیا کہ ملزمہ پر الزام یہ ہے کہ اس نے شادی شدہ ہوتے ہوئے اپنی پسند سے دوسری شادی کر لی ہے۔ ملزمہ لڑکی کے والدین عدالت میں موجود ہیں۔ وہ ضمانت کی مخالفت کر رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر ملزمہ کی ضمانت منظور ہو گئی تو وہ جیل سے باہر نکل کر دوسرے خاوند کے ساتھ رہے گی جو کہ ایک غیر اخلاقی اور گناہ کی زندگی گزارنے کے مترادف ہو گا لہٰذا درخواست ضمانت ان حالات کے پیش نظر نامنظور کی جاتی ہے۔ (1994ء پاکستان کریمنل لاء جرنل 1494)

دوسرے ضلع میں نکاح

لیاقت علی بنام سرکار کیس میں قرار دیا گیا کہ مغویہ لڑکی اور لڑکے کے درمیان نکاح ایک دوسرے ضلع کے دور دراز گاؤں میں منعقد کیا گیا' نکاح میں مغویہ لڑکی کا کوئی رشتہ دار شامل نہیں پایا گیا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نکاح عام حالات میں نہیں ہوا۔ پولیس کے ذریعے برآمد ہونے پر لڑکی کا لڑکے کے خلاف بیان دینا اور تکذیب نکاح کا دعویٰ دائر کرنا بھی حالات کو مشکوک بناتا ہے جس میں مغویہ لڑکی نے موقف اختیار کیا ہے کہ نکاح نامہ اور دوسرے کاغذات پر اس کے دستخط زبردستی حاصل کئے گئے تھے۔ ان حالات میں ملزم کا جرم میں ملوث ہونے کا احتمال ظاہر ہوتا ہے لہٰذا ضمانت کی درخواست مسترد کی جاتی ہے۔ (1994ء ایم ایل ڈی 1298)

پولیس تفتیش

عدالت عالیہ نے ایسے ہی ایک کیس میں قرار دیا کہ اگرچہ پولیس کی تفتیش کے مطابق نکاح نامہ جعلی ہے۔ لیکن لڑکی اور لڑکا عدالت میں یہ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ آپس میں بیوی اور خاوند ہیں۔ ان حالات میں ان پر جرم زناء کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا لہٰذا دونوں کی ضمانت منظور کی جاتی ہے۔ (این ایل آر 1986' شرعی فیصلہ جات 30)

بازو دعویٰ اور تکذیب نکاح کے حربے

ہمارے معاشرے میں عمومی طور پر محبت کی شادی کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ اس لئے عام طور پر ایسی شادیاں خفیہ رکھی جاتی ہیں۔ حدود کی سزائیں نافذ ہونے سے قبل لڑکی اور لڑکے کی رضامندی سے قائم ہونے والے جنسی تعلقات پر کڑی سزائیں مقرر نہ تھیں اس لئے بعض جوڑے بے خوف و خطر پسند کی شادی کر لیتے تھے۔ لیکن حدود آرڈیننس کے نفاذ کے بعد باہمی رضامندی سے قائم ہونے والے جنسی تعلقات بھی چونکہ زناء کے زمرے میں آ گئے ہیں اور کڑی سزا کے مستحق قرار پائے ہیں۔ اس لئے پسند کی شادی کرنے والے جوڑوں نے حد کی اسلامی سزا سے بچنے کے لئے کچھ چور دروازے تلاش کر لئے ہیں۔ یہ سوال الگ ہے کہ یہ چور دروازے انہیں محبت کی منزل وصال تک پہنچنے کا راستہ مہیا کرتے ہیں یا طویل مقدمہ بازی کے دشت میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔ محبت کی خفیہ شادی کے بعد اپنی بیوی کو اعلانیہ اس کے والدین کے "قبضہ" سے نکالنے کا ایک طریقہ جو ایجاد کیا گیا ہے اس کا نام "بازو دعویٰ" ہے۔

بازو دعویٰ کیا ہوتا ہے

بازو دعویٰ کا قانونی نام "دعویٰ اعادہ حقوق زن آشوئی" ہوتا ہے۔ اس دعویٰ میں خاوند اپنی بیوی سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ آکر اس کے ساتھ اس کے گھر میں رہے اور وظیفہ زوجیت ادا کرے۔ دعویٰ حقوق زن آشوئی میں خاوند یہ بیان کرتا ہے کہ اس کی شادی فلاں خاتون سے اسلامی قانون کے مطابق سر انجام پائی تھی۔۔۔ لیکن اب فلاں فلاں وجوہات کی بناء پر اس کے والدین (یا کچھ اور لوگ) اس پر اثر انداز ہو رہے ہیں یا وہ خود والدین کے گھر میں (یا کسی اور جگہ) غیر آباد ہو کر بیٹھی ہوئی ہے لہٰذا عدالت حکم جاری کرے کہ مذکورہ خاتون اپنے خاوند کے گھر میں آکر آباد ہو اور اسلام نے جو حقوق بطور بیوی اس پر عائد کئے ہیں ان کے مطابق حق زوجیت ادا کرے۔

لاہور ہائی کورٹ نے بازو دعویٰ کے ایک کیس میں اس دعویٰ کے جواز پر بحث کرتے ہوئے قرار دیا کہ دعویٰ حقوق زن آشوئی کی بنیاد شادی شدہ جوڑے کے عائلی حقوق پر رکھی گئی ہے۔ شادی شدہ جوڑے پر لازم ہے کہ اکٹھے رہیں اور شادی کے منطقی نتیجے کے طور پر میاں اور بیوی کے درمیان جن حقوق و فرائض کے وہ پابند ہو چکے ہیں انہیں وہ دونوں اپنے اپنے حصے کے مطابق پورا کریں۔ اگر دونوں میاں بیوی میں سے کوئی ایک نکاح کے بعد کسی قانونی جواز کے بغیر حق زوجیت ادا کرنے سے گریز کرتا ہے یا بلاوجہ انکار کر دیتا ہے تو دوسرے فریق کے حقوق متاثر ہوں گے اور یہ ازدواجی فرض کی نفی ہو گی۔ اس لئے متاثرہ فریق عدالت کے ذریعے یہ حکم حاصل کر سکتا ہے اور اس فریق کو' جو ازدواجی رشتہ نبھانے سے گریز کر رہا ہے' یہ ہدایت جاری کروا سکتا ہے کہ وہ بلا تاخیر اکٹھے رہائش اختیار کر کے آپس میں میاں بیوی کا رشتہ بحال کرے۔(1985 سی ایل سی 759)

پسند کی شادی کرنے والے اکثر مرد "دعویٰ حقوق زن آشوئی" (جسے عام زبان میں بازو دعویٰ کہہ کر پکارا جاتا ہے) کا سہارا لیتے ہیں۔ قانون سے تھوڑی سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ جونہی کوئی لڑکی گھر سے غائب ہو جائے' لڑکی کے والدین اور رشتہ دار فوری طور پر یہ کھوج لگاتے ہیں کہ فرار ہونے والی لڑکی کے خفیہ

تعلقات کہیں کسی لڑکے کے ساتھ تو نہیں تھے۔ اس کھوج میں جونہی انہیں یہ اطلاع ملتی ہے کہ فلاں لڑکے کے ساتھ لڑکی کو کسی نہ کسی وقت دیکھا گیا تھا یا اس قسم کا شک سامنے آتا ہے تو وہ فوراً اس کے نمایاں رشتہ داروں یا کچھ قریبی دوستوں سمیت اس لڑکے کے خلاف حدود آرڈیننس کے تحت اغواء اور زنا یا زنا بالجبر وغیرہ کا پرچہ درج کروا دیتے ہیں۔ پرچہ درج ہوتے ہی پولیس کو یہ اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ تفتیش کی غرض سے لڑکے یا لڑکے اور لڑکی دونوں کو حراست میں لے لے۔

حدود سے بچنے کے لئے "طریقہ واردات"

حدود آرڈیننس اور اس کے تحت پولیس کارروائی سے محفوظ رہنے کے لئے بہت سے جوڑے اپنی دانست میں ایسا قانونی طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ ہوتا یوں ہے کہ لڑکی اور لڑکا دونوں ملاقات کے لئے کوئی ایسا دن مقرر کر لیتے ہیں جس دن چند گھنٹے کی غیر حاضری کا لڑکی کے گھر والوں کو پتہ نہ چل سکے یا پھر انہیں شک نہ گزرے۔ اگر لڑکی زیر تعلیم ہے یا کسی ادارے میں کسی طرح کی تربیت لے رہی ہے یا کسی دفتر میں ملازم ہے تو یہ کام اور بھی آسان ہو جاتا ہے۔ وہ گھر سے بظاہر تعلیمی ادارے یا دفتر وغیرہ جانے کے لئے نکلتی ہے اور چھٹی کے وقت حسب معمول واپس گھر پہنچ جاتی ہے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ وہ مقررہ تاریخ پر وہاں سرے سے جاتی ہی نہیں یا صرف منہ دکھانے جاتی ہے اور پھر کسی بہانے وہاں سے نکل لیتی ہے۔ دوسری طرف وقت مقررہ پر لڑکا نکاح کے پورے بندوبست کے ساتھ تیار ہوتا ہے۔ جونہی لڑکی وعدے کے مطابق جائے مقررہ پر پہنچتی ہے فوراً نکاح کی کارروائی شروع کر دی جاتی ہے اور نکاح رجسٹر کر کے اسے واپس اس طرح گھر پہنچا دیا جاتا ہے، جیسے کوئی واقعہ ہوا ہی نہ ہو۔ اس نکاح کے کچھ ماہ بعد لڑکا اپنی اس بیوی کے خلاف حقوق زن آشوئی کا دعویٰ دائر کر دیتا ہے۔ یہ دعویٰ متعلقہ فیملی کورٹ کے جج کے سامنے دائر کیا جاتا ہے۔ دعویٰ دائر ہونے کے بعد عدالت لڑکی کو عدالت میں طلب کر لیتی ہے۔۔۔۔ یہ وہ موقع ہوتا ہے جب عدالتی سمن لڑکی کے گھر پہنچتے ہیں

اور اس کے والدین کو پہلی مرتبہ اصل "واردات" کا پتہ چلتا ہے۔۔۔ جو لوگ زیادہ ہوشیاری سے کام لیتے ہیں وہ اپنے دعویٰ میں لڑکی کے والدین کا پتہ لکھنے کے بجائے کوئی اور پتہ درج کر دیتے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ آجکل لڑکی اس پتہ پر رہائش پذیر ہے۔ عدالت کی مقرر کردہ تاریخ پر لڑکی عدالت میں حاضر ہو جاتی ہے اور تھوڑی سی خود ساختہ رد و کد کے بعد خاوند کے ساتھ اس کے گھر جاکر رہائش پذیر ہونے پر راضی ہو جاتی ہے۔ عدالت اس راضی نامہ یا لڑکی کے بیانات کو ضبط تحریر میں لاتی ہے اور ان کی روشنی میں حقوق زن آشوئی کی ڈگری خاوند کے حق میں جاری کر دیتی ہے۔ اس طرح لڑکی اپنے شوہر کے ساتھ روانہ ہو جاتی ہے اور انھیں ایک طرح سے قانون کی پناہ حاصل ہو جاتی ہے۔

دوسری طرف جب لڑکی حسب معمول گھر نہیں پہنچتی تو اس کے والدین اس کی تلاش میں نکلتے ہیں اور کھوج لگاتے لگاتے انہیں پتہ چلتا ہے کہ ان کی لڑکی فلاں لڑکے کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جا چکی ہے۔ انہیں چونکہ اس دوران میں ہونے والی تمام کارروائی کا علم نہیں ہوتا اس لئے وہ فوراً قانون کی مدد حاصل کرنے کے لئے پولیس کے پاس پہنچتے ہیں اور لڑکے کے خلاف اغواء یا زناء بالجبر کا پرچہ درج کروا دیتے ہیں۔ پرچہ درج کرنے کے بعد جب پولیس "مجرموں" کا سراغ لگا کر ان تک جا پہنچتی ہے اور ان پر ہاتھ ڈالنے لگتی ہے تو پسند کی شادی کرنے والا جوڑا اپنا رجسٹرڈ نکاح نامہ اور فیملی کورٹ سے لڑکے کے حق میں جاری ہونے والا اعادہ حقوق زن آشوئی کا فیصلہ پولیس افسروں کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ اور اس طرح پولیس بے بس ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور اگر کوئی کارروائی کرے بھی تو اس کا نتیجہ عام طور پر پسند کی شادی کرنے والے جوڑے کے حق ہی میں نکلتا ہے۔

ہائی کورٹ کی پیش بندی

ہائی کورٹ نے ماضی قریب میں ایسے مقدمات کی اصل حقیقت کو دیکھتے ہوئے ماتحت عدالتوں کے لئے کچھ اصول وضع کئے ہیں جن میں سے ایک بہت اہم اصول یہ

ہے کہ اعادہ حقوق زن آشوئی کا دعویٰ کرنے والے شخص کو عدالت کے سامنے یہ بھی ثابت کرنا ہو گا کہ وہ عدالت میں بالکل صاف ہاتھوں کے ساتھ آیا ہے۔ بصورت دیگر وہ اعادہ حقوق زن آشوئی کی ڈگری حاصل کرنے کا مستحق قرار نہیں پائے گا۔ (پی ایل ڈی 1986 کوئٹہ صفحہ 290)

اسی طرح ایک اور کیس میں قرار دیا گیا کہ دعویٰ کی فائل میں اگر کوئی ٹھوس ثبوت موجود نہ ہو جو یہ ثابت کرتا ہو کہ لڑکی بغیر کسی قرین انصاف وجہ کے خاوند کے گھر میں بیوی کی طرح زندگی گزارنے سے گریز کر رہی ہے لیکن ان کے باوجود اعادہ حقوق زن آشوئی کے دعویٰ کا فیصلہ خاوند کے حق میں کر دیا جائے تو یہ قانون اور انصاف کے تقاضوں کے مطابق نہ ہو گا۔ (1991 سی ایل سی صفحہ 1563)

پسند کی اکثر شادیاں چونکہ خفیہ طور پر اور عجلت میں کی جاتی ہیں اس لئے نکاح نامے اور نکاح کی باضابطہ رجسٹریشن میں بیشتر اوقات کچھ خامیاں رہ جاتی ہیں۔ مثلاً گواہوں کا پورا نہ ہونا۔ دستخطوں کا مشکوک ہونا وغیرہ وغیرہ ـــــ ان خامیوں کی وجہ سے قانون کی نگاہ میں شادی جائز اور قانونی ہونے کے بجائے فاسد تصور ہونے لگتی ہے۔ لاہور ہائی کورٹ نے قرار دیا ہے کہ اگر دستاویزات اور شہادت سے یہ بات ثابت ہو رہی ہو کہ شادی فاسد ہے تو ایسی شادی کی بناء پر اعادہ حقوق زن آشوئی کی ڈگری جاری کر کے بیوی کو یہ حکم دینا مناسب نہ ہو گا کہ وہ شوہر کے ساتھ جاکر ازدواجی زندگی گزارنے لگے۔ (پی ایل ڈی 1959 لاہور 1014)

بہرحال یہ تو تھی وہ صورت حال جب کہ لڑکی کے والدین کو بازو دعویٰ سے لاعلم رکھتے ہوئے اعادہ حقوق زن آشوئی کی ڈگری حاصل کر لی جاتی ہے۔ لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دعویٰ میں لڑکی کا اصل پتہ یعنی اس کے والدین کا پتہ درج کر دیا جاتا ہے جس کے نتیجے میں عدالتی نوٹس یا سمن والدین کے گھر آن پہنچتے ہیں یا پھر کسی اور ذریعے سے سارا معاملہ ان کے علم میں آ جاتا ہے۔ اس صورت حال میں چونکہ لڑکی اگر گھر میں ہی ہو تو وہ اس پر نگرانی سخت کر دیتے ہیں۔ مائیں' بہنیں اور دوسری قریبی رشتہ دار خواتین خاندان کی عزت و ناموس کا واسطہ دے کر کبھی والدیا

بھائی خودکشی کی دھمکی دے کر۔۔۔ کبھی محبوب کے قتل کا ڈراوا دے کر اور کبھی عذاب دوزخ سے ڈرا کر اسے اس بات پر مجبور کر لیتی ہیں کہ وہ اپنے پسند کئے نکاح کو نہ صرف مسترد کر دے بلکہ سرے سے کسی نکاح کے انعقاد ہی سے انکار کر دے۔ جب لڑکی اس بات پر تیار ہو جاتی ہے تو وہ حقوق زن آشوئی کے دعویٰ کو بے اثر بنانے کے لئے لڑکی کی جانب سے لڑکے کے خلاف تکذیب نکاح کا دعویٰ دائر کروا دیتے ہیں۔

تکذیب نکاح کا دعویٰ کیا ہوتا ہے

تکذیب نکاح کا عام فہم زبان میں مطلب بیان کیا جائے تو اسے نکاح کو جھٹلانا کہا جا سکتا ہے یعنی ایک فریق اگر یہ کہے کہ اس کا فلاں لڑکی سے نکاح ہو چکا ہے اور نکاح کی رو سے وہ اس کی بیوی بن چکی ہے لیکن دوسرا فریق (یعنی بیوی یا اس کے لواحقین) اس بات کو جھٹلائے اور جھوٹ قرار دے اور اس سلسلے میں عدالت سے رجوع کرے تو قانون کی زبان میں اسے دعویٰ تکذیب نکاح کہیں گے۔

تکذیب نکاح کی عدالتی تشریح

اعلیٰ عدالتوں نے تکذیب نکاح کی مختلف انداز میں تشریح کی ہے۔ مثلاً:

اگر ایک فریق شادی کے انعقاد پر اصرار کرے اور دوسرا اس کے انعقاد کا انکار کرے تو فریقین کے عدالتی موقف کی روشنی میں اسے دعویٰ تکذیب نکاح کہا جائے گا۔ (پی ایل ڈی 1974 لاہور 78)

تکذیب نکاح میں حقائق کا دائرہ محدود ہوتا ہے اور اسے صرف نکاح کے انعقاد یا عدم انعقاد تک ہی محدود رہنا چاہئے۔ (پی ایل ڈی 1988 کراچی 169)

تکذیب نکاح سے مراد کسی کی طرف سے اس دعویٰ کو جھٹلانا کہ وہ فلاں سے شادی شدہ ہے۔ (پی ایل ڈی 1974 لاہور 373)

تکذیب نکاح سے مراد جھوٹی شادی کے وہ معاملات ہیں جن کو عائلی عدالت نپٹانے کا اختیار رکھتی ہے۔ اس میں نکاح نامہ کے جعلی ہونے یا نکاح کی رجسٹریشن

درست طور پر نہ ہونے یا نہ ہونے کا معاملہ بھی ضرورت پڑنے پر شامل ہو سکتا ہے۔
(1981 سی ایل سی 1097)

تکذیب نکاح کے دعویٰ سے صرف یہ مراد نہیں ہوتی کہ عدالت یہ قرار دے کہ شادی منعقد نہیں ہوئی تھی بلکہ یہ قرار بھی دے کہ ایک فریق غلط طور پر دوسرے فریق کو اپنا شریک زندگی ظاہر کر رہا ہے اور اسے حکم دے کہ وہ آئندہ ایسا کرنے سے باز و ممنوع رہے۔ (پی ایل جے 1973 لاہور 492، پی ایل ڈی 1974 لاہور صفحہ 78)

تکذیب نکاح کا دعویٰ کون کر سکتا ہے؟

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ چونکہ جھوٹے نکاح کا اصل متاثرہ فریق مبینہ زوجین میں سے ایک ہوتا ہے اس لئے یہ حق صرف مبینہ زوجین میں سے کسی ایک متاثرہ فریق ہی کو حاصل ہے کہ وہ عدالت میں تکذیب نکاح کا دعویٰ دائر کرے۔ لہٰذا اگر کوئی تیسرا فریق یہ دعویٰ دائر کرے تو عدالت کو چاہئے کہ اسے سماعت کئے بغیر ابتدائی مرحلے ہی میں خارج کر دے۔ لیکن عدالتوں نے اس نظریئے کی تردید کر دی ہے اور قرار دیا ہے کہ اگر کسی لڑکی کے بارے میں کوئی شخص یہ غلط بات پھیلا رہا ہے کہ وہ اس کی بیوی بن چکی ہے تو لڑکی کے والدین یا کسی بھی عزیز کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ایسے شخص کے خلاف اپنی طرف سے تکذیب نکاح کا دعویٰ دائر کر دے۔

تکذیب نکاح کا دعویٰ اور عدالتی فرض

جب لڑکی، لڑکے یا مبینہ میاں بیوی کے والدین وغیرہ کی طرف سے تکذیب نکاح کا دعویٰ دائر ہو جائے تو متعلقہ فیملی کورٹ سب فریقوں کو عدالت میں طلب کرتی ہے۔ جس فریق کے خلاف دعویٰ دائر کیا گیا ہو اسے دعویٰ کی نقل جاری کر کے تحریری جواب داخل کرنے اور اگر وہ شادی پر اصرار کر رہا ہو تو جائز اور قانونی شادی کے دستاویزی ثبوت اور گواہوں کی فہرست داخل کرنے کی ہدایت کرتی ہے۔ جواب اور دستاویزات آ جانے پر شادی کے قانونی انعقاد یا عدم انعقاد کا سوال پیش نظر رکھتے ہوئے فریقین کے بیانات قلمبند کئے جاتے ہیں، گواہوں کی شہادت ضبط تحریر میں لائی

جاتی ہے اور فریقین کے وکلاء کو ایک دوسرے کے فریق پر جرح کا حق ملا جاتا ہے۔ دستاویزات کو جانچا پرکھا جاتا ہے اور فیصلہ کیا جاتا ہے کہ درحقیقت شادی انعقاد پذیر ہوئی تھی یا نہیں۔ اگر عدالت اس نتیجے پر پہنچے کہ نکاح نامہ کی حیثیت مشکوک ہے یا معتبر نہیں ہے یا جعل سازی سے بنایا گیا ہے تو دستاویزات کے ساتھ ساتھ حالات و واقعات کی روشنی میں وہ متعلقہ فریق کے خلاف ڈگری جاری کرکے' شادی کو غلط' جعلی یا غیر موثر قرار دے سکتی ہے اور جعلی یا غیر موثر دستاویزات رکھنے والے شخص کو حکم جاری کر سکتی ہے کہ وہ آئندہ اس شادی کو جائز اور قانونی ظاہر کرنے سے باز و ممنوع رہے۔

پسند کی شادی کے معاملے میں تکذیب نکاح کے دعویٰ جات پر دو طرح کا ردعمل سامنے آتا ہے۔ ایک تو ایسے معاملات ہیں جن میں دراصل شادی منعقد نہیں ہوئی ہوتی بلکہ اس کا وجود صرف کاغذات تک محدود ہوتا ہے۔ دوسری صورت میں شادی خفیہ طریقے سے لیکن باضابطہ نکاح کی صورت میں عالم وجود میں آ چکی ہوتی ہے۔ ہر دو صورتوں میں لڑکی کا بیان بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ اگر وہ عدالت میں آکر اس شادی کو تسلیم کر لے تو شادی جائز اور قانونی قرار پا سکتی ہے۔ لیکن عام طور پر ایسا ہوتا نہیں ہے۔ پسند کی شادی کا راز جب لڑکی کے گھر والوں پر آشکار ہوتا ہے تو وہ لڑکی کو بعض اوقات سمجھا بجھا کر اور بعض اوقات خوفزدہ کرکے یا خاندان کی عزت کا واسطہ دے کر اس بات پر راضی یا مجبور لیتے ہیں کہ وہ عدالت کے روبرو شادی کے انعقاد سے انکاری ہو جائے۔ لڑکی کے انکار پر عام طور پر تکذیب نکاح کا دعویٰ کامیاب ہو جاتا ہے اور خفیہ طور پر شادی رچانے کا سارا عمل بے کار چلا جاتا ہے۔

بازو دعویٰ پر تکذیب نکاح کے دعویٰ کا اثر

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اگر پسند کی خفیہ شادی کے بعد لڑکی کو حاصل کرنے کے لئے لڑکا حقوق زن آشوئی کا دعویٰ دائر کر دے تو لڑکی والے اس کا توڑ کرنے کے لئے تکذیب نکاح کا دعویٰ دائر کر دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں دونوں دعویٰ جات یکجا کر

دیئے جاتے ہیں اور ایک ہی عدالت ان دونوں دعووں کی بیک وقت سماعت کرتی ہے اور دونوں کا بیک وقت فیصلہ کرتی ہے تاکہ فنی پیچیدگیاں پیدا نہ ہو سکیں۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بازو دعویٰ والدین کے علم میں نہیں آتا اور اس کا فیصلہ لڑکے کے حق میں ہو جاتا ہے۔ اس فیصلے پر عملدرآمد کے وقت حالات والدین کے علم میں آتے ہیں اور تب وہ تکذیب نکاح کا دعویٰ دائر کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں جب تک تکذیب کے دعویٰ کا فیصلہ نہ ہو جائے بازو دعویٰ میں حاصل کردہ ڈگری پر عملدرآمد معطل رہتا ہے۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لڑکا بازو دعویٰ کسی اور شہر کی عدالت میں دائر کر دیتا ہے جبکہ لڑکی کسی اور شہر میں مقیم ہوتی ہے۔ بازو دعویٰ کا علم ہونے پر لڑکی یا اس کے والدین کی طرف سے اس شہر میں تکذیب نکاح کا دعویٰ دائر کر دیا جاتا ہے جہاں لڑکی مقیم ہے۔ ایسی صورت میں کسی ایک شہر یا ضلع کی عدالت کو یہ اختیار حاصل نہیں ہوتا کہ وہ دونوں دعووں کو یکجا کر سکے۔ قانون میں اس کا حل بھی موجود ہے۔ مسلم فیملی لاز ایکٹ کی دفعہ 25 اے فریقین کو یہ اختیار دیتی ہے کہ متاثرہ فریق منتقلی مقدمہ کی درخواست متعلقہ ہائی کورٹ میں دائر کرے۔ درخواست دائر ہونے پر ہائی کورٹ دوسرے فریق کو طلب کرے گی اور اگر چاہے تو درخواست کے فیصلے تک فیملی کورٹس میں دونوں دعویٰ جات کو روک دے گی۔ دونوں فریقوں کے حاضر ہو جانے پر وہ دلائل کی سماعت کے بعد فیصلہ کرتے ہوئے حکم جاری کرتی ہے کہ دونوں مقدمات ایک عدالت میں یکجا کر دیئے جائیں اور ان کا فیصلہ اکٹھا کیا جائے۔ ان حالات میں عام طور پر لڑکی کی سہولت کو مدنظر رکھا جاتا ہے اور اس کے احترام اور سفری مسائل کے پیش نظر عموماً" لڑکے کا دائر کردہ بازو دعویٰ اس شہر کی متعلقہ عدالت میں منتقل کر دیا جاتا ہے جو تکذیب نکاح کے دعویٰ کی سماعت کر رہی ہوتی ہے۔

درخواست حبس بے جا

بازو دعویٰ اور تکذیب نکاح کے مقدمات چونکہ بنیادی طور پر فیملی جج کی عدالت میں چلتے ہیں اس لئے ان عدالتوں کے طریقہء کار کے مطابق ان مقدمات کی سماعت کا سلسلہ مہینوں سے برسوں تک پھیل سکتا ہے۔ خفیہ طریقے سے پسند کی شادی کر لینے کے بعد بعض اوقات لڑکا بہت جلدی میں ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کی بیوی جلد از جلد اس کے ساتھ آن ملے۔۔۔ اس خواہش کے زیر اثر بازو دعویٰ کا نسبتاً" طویل راستہ اپنانے کے بجائے وہ فیملی جج کی عدالت سے رجوع کرنے کا ارادہ ترک کر دیتا ہے اور براہ راست حبس بے جا کی رٹ دائر کرکے اپنی بیوی کو والدین کے "چنگل" سے رہائی دلانے کے لئے ہائی کورٹ میں قسمت آزمائی کا فیصلہ کرتا ہے۔

حبس بے جا کی درخواست کیا ہوتی ہے

پاکستان کے آئین مجریہ 1973ء میں عوام کو بعض بنیادی انسانی حقوق کی ضمانت دی گئی ہے۔ ان بنیادی حقوق میں سے ایک حق آزادانہ نقل و حرکت کا بھی ہے۔ آئین کے آرٹیکل 15 کا مفہوم حسب ذیل ہے۔

"ہر شہری کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ پاکستان میں رہائش رکھے' ملک کے جس حصے میں چاہے رہے' پورے پاکستان میں آزادانہ نقل و حرکت کرے اور پاکستان میں جس جگہ چاہے رہائش رکھے یا مستقل طور پر قیام پذیر ہو جائے بشرطیکہ عوامی بھلائی کے تحت نافذ کردہ کوئی جائز قانون اس کے اس حق پر اثر انداز نہ ہوتا ہو۔"

سپریم کورٹ نے قرار دیا ہے کہ نقل و حرکت کی آزادی سے مراد یہ ہے کہ ایک آزاد شہری کو نقل و حرکت کا آئینی اور قانونی حق حاصل ہے۔ اگر کوئی شخص کسی قانون کے تحت قید کی سزا کاٹ رہا ہے تو وہ نقل و حرکت کی آزادی سے متعلق مذکورہ بالا آئینی سہولت کا حق دار قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (اے آئی آر 1950' سپریم کورٹ 27)

ایک اور کیس میں کہا گیا ہے کہ نقل و حرکت پر پابندی صرف عوامی مفاد میں لگائی جا سکتی ہے۔ مثلاً اگر کسی عورت کے بارے میں یہ شکایت ہو کہ وہ عصمت فروشی کا دھندا کر رہی ہے تو اس کی نقل و حرکت کو شہر کے کسی خاص علاقے تک پابند کر دینا غیر قانونی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (پی ایل ڈی 1958' لاہور 929)

پسند کی شادی کرنے والا جوڑا بھی بعض اوقات نقل و حرکت کی آزادی والی آئینی ضمانت کا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ لڑکا لڑکی خفیہ شادی کر لیتے ہیں' اس کے بعد لڑکی خاموشی سے اپنے گھر واپس چلی جاتی ہے۔ چند ماہ کے بعد لڑکا' اچانک لڑکی کے والدین یا دیگر متعلقہ لواحقین کے خلاف حبس بے جا کی رٹ درخواست داخل کرتا ہے اور موقف اختیار کرتا ہے کہ فلاں فلاں لوگوں نے اس کی جائز اور قانونی بیوی کو اس کی مرضی اور منشاء کے بغیر زبردستی روک رکھا ہے۔ اور اس کے' خاوند کے گھر آکر بطور بیوی آباد ہونے میں' غیر قانونی رکاوٹ ڈال رہے ہیں۔ لہٰذا عدالت عالیہ مداخلت کرے اور اس کی بیوی کو حبس بے جا سے آزاد کروائے۔ بعض مرتبہ اس درخواست میں مزید شدت پیدا کرنے کے لئے یہ بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ اگر فوری کارروائی نہ کی گئی تو لڑکی کے قتل ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

حبس بے جا کا قانونی جواز

ہائی کورٹ نے قرار دیا ہے کہ حبس بے جا کی درخواست دائر کرنے کے لئے یہ قانونی جواز کافی ہے کہ عدالت تک یہ اطلاع پہنچا دی جائے کہ کسی فرد کو غیر قانونی طور پر روک کر رکھا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی عدالت پر یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ وہ اس امر کا جائزہ لے کہ مذکورہ فرد کو کس قانونی بنیاد پر کسی نے روک رکھا ہے۔
(پی ایل ڈی 1979ء' کراچی 125' ڈبل بنچ)

حبس بے جا کی درخواست کون دائر کر سکتا ہے

آئین پاکستان کے آرٹیکل 199 میں کسی خاص شخص کو پابند نہیں کیا گیا کہ صرف فلاں شخص کو ایسی درخواست دائر کرنے کا حق حاصل ہے۔ جس فرد کو حبس بے جا میں رکھا گیا ہے' ضروری نہیں کہ وہ خود ایسی درخواست دائر کرے یا کروائے' کوئی بھی شخص جو محبوس کی فلاح میں نیک نیتی سے دلچسپی رکھتا ہے حبس بے جا کی درخواست دائر کر سکتا ہے۔ (پی ایل ڈی 1963' لاہور 9 = پی ایل ڈی 1970ء' سپریم کورٹ 399)

محبوس کا کوئی بھی رشتہ دار یا دوست حبس بے جا کی درخواست دائر کر سکتا ہے۔ اگر دوست درخواست دائر کرے تو یہ شخص محبوس کا بہت قریبی دوست ہونا چاہئے اور اسے تمام حالات و واقعات کا بخوبی علم ہونا چاہئے تاکہ وہ عدالت کی مکمل معاونت کر سکے۔ لیکن اگر ایسے شخص کا محبوس کے ساتھ تعلق مشکوک ہے یا وہ عدالت کو اس سلسلے میں مطمئن نہیں کر سکتا اور اس کے برعکس محبوس کے قریبی رشتہ دار زندہ اور موجود ہونے کے باوجود عدالت عالیہ سے رجوع نہیں کرتے تو عدالت عالیہ مذکورہ دوست کی جانب سے دائر کردہ درخواست کو خارج کرنے کا اختیار رکھتی ہے۔ (پی ایل ڈی 1968' ڈھاکہ 728)

عدالت عالیہ نے پسند کی شادی کے ایک کیس میں قرار دیا کہ اگر لڑکی کے خاوند ہونے کے دعویدار شخص کے خلاف اسی لڑکی کے اغواء وغیرہ جیسے فوجداری مقدمات

بھی کسی دوسری عدالت میں چل رہے ہوں تو حبس بے جا کی درخواست کے تحت لڑکی کو ایسے لڑکے کے ساتھ بھیج دینا مناسب نہیں ہو گا بلکہ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ان حالات میں لڑکی کو اس کے والدین کے سپرد کر دیا جائے۔ (پی ایل ڈی 1980' لاہور 14)

درخواست پر عدالتی کارروائی کا طریقہ

ہائی کورٹ کو اس سلسلے میں وسیع اختیارات حاصل ہیں اور وہ اپنی تسلی کے لئے کسی بھی قسم کی انکوائری کر سکتی ہے تاکہ کسی کو حبس بے جا میں رکھنے کی اصل وجہ اور بنیاد عدالت کے سامنے آ سکے اور عدالت یہ اطمینان کر سکے کہ مذکورہ فرد کو روکے رکھنے کی کیا ضرورت آن پڑی تھی---- اور کیا اس کا کوئی قانونی جواز موجود تھا؟ (پی ایل ڈی 1988' سپریم کورٹ 313)

البتہ ہائی کورٹ نے قرار دیا ہے کہ حبس بے جا کی عدالتی کارروائی چونکہ سرسری نوعیت کی ہوتی ہے اس لئے اس کارروائی کے دوران شخصی قوانین سے متعلقہ معاملات کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ مثال کے طور پر تبدیلیءِ مذہب کے بارے میں فیصلہ یا پھر کسی شادی کے جائز یا ناجائز ہونے کے بارے میں فیصلہ کرنا مناسب نہیں ہو گا۔ (پی ایل ڈی 1962' کراچی 725)

اگر کوئی لڑکا کسی لڑکی کو اغواء کر کے لے گیا ہے تو حبس بے جا کی عدالتی کارروائی کے دوران عدالت صرف یہ دیکھنے تک محدود رہے گی کہ لڑکی اپنی آزادانہ مرضی سے لڑکے کے ساتھ رہ رہی ہے یا لڑکے نے اسے اس کی مرضی اور رضامندی کے بغیر اپنی تحویل میں رکھا ہوا ہے۔ اگر لڑکا اور لڑکی اس دوران شادی کر چکے ہیں تو عدالت اس سوال میں نہیں پڑے گی اور نہ ہی شادی کے جائز یا ناجائز (فاسد) ہونے کے بارے میں فیصلہ کرے گی۔ (پی ایل ڈی 1962' کراچی 725)

بیلف کا تقرر

اگر عدالت درخواست کے مندرجات اور متعلقہ دستاویزات کی بناء پر یہ رائے قائم کرے کہ حبس بے جا کا معاملہ کچھ وزن رکھتا ہے تو وہ کسی اہلکار کو بیلف مقرر

کر کے اسے اس مقام پر' جہاں محبوس کا موجود ہونا بیان کیا گیا ہے' جانے اور اسے برآمد کر کے اپنے ہمراہ لا کر عدالت میں پیش کرنے کا حکم دیتی ہے۔ یہ حکم ملتے ہی بیلف لڑکی کے گھر جاتا ہے اور اسے والدین یا دیگر رشتہ داروں کی تحویل سے' جہاں وہ موجود ہو' برآمد کر کے مقررہ تاریخ پر عدالت میں پیش کر دیتا ہے۔

درخواست حبس بے جا کا فیصلہ

عدالت لڑکی اور اس کے والد یا سرپرستوں کے بیانات سن کر یہ فیصلہ کرتی ہے کہ لڑکی اپنی رضامندی سے وہاں رہائش پذیر ہے یا اسے اس کی مرضی کے بغیر روک کر رکھا جا رہا ہے۔ اگر عدالت اس نتیجہ پر پہنچے کہ لڑکی کو زبردستی روکا جا رہا ہے تو وہ اسے وہیں حکم دے گی کہ اب وہ اپنی خوشی اور رضامندی سے جہاں جانا چاہے جا سکتی ہے یا جہاں رہنا چاہے رہ سکتی ہے۔ اس موقع پر لڑکی اگر چاہے تو اس لڑکے کے ہمراہ بطور بیوی رخصت ہو سکتی ہے جس کے ساتھ وہ کچھ عرصہ قبل پسند کی شادی کر چکی ہے اور اگر چاہے تو اسے رد کر کے اپنے والدین کے ہمراہ بھی جا سکتی ہے۔

محمد بنارس بنام ایس ایچ او مقدمہ میں لڑکی کو اغواء کر لینے کے الزام میں محمد بنارس کو جرم زنا (نفاذ حدود) آرڈیننس کے گرفتار کر کے اس پر مقدمہ قائم کیا گیا تو محمد بنارس نے اپنی گرفتاری کو حبس بے جا قرار دلوانے کے لئے عدالت عالیہ سے رجوع کیا۔ عدالت عالیہ نے تمام حالات و واقعات دیکھنے کے بعد قرار دیا کہ مبینہ مغویہ لڑکی بالغ اور صاحب الرائے ہے اور وہ ملزم بنارس کے اس موقف کی تصدیق کر رہی ہے کہ اس کی بنارس سے شادی ہو چکی ہے اور مدعی بھی شادی سے انکاری نہیں ہے۔ اس لئے بنارس پر حدود آرڈیننس کے تحت مقدمہ چلانا بے نتیجہ رہے گا اور اسے غیر ضروری طور پر ہراساں کرنے کے مترادف ہو گا۔ لہٰذا اس کے خلاف جرم زناء (نفاذ حدود) آرڈیننس کی دفعات 10 اور 11 کے تحت قائم مقدمات کو ختم کیا جاتا ہے۔ (1995 پاکستان کرمنل لاء جرنل 94)

اس ضمن میں ایک اور کیس عبدالقادر بنام ایس ایچ او کرشن نگر لاہور کا ذکر

بھی دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ اس کیس میں عبدالقادر نے ہائی کورٹ میں درخواست گزاری کہ اس کی بیوی کو فریق ثانی نے حبس بے جا میں رکھا ہوا ہے۔ عدالت کے حکم پر عورت کو بذات خود ہائی کورٹ میں پیش کیا گیا۔ جہاں عورت نے بیان دیا کہ دراصل عبدالقادر اسے طلاق دے چکا ہے اور طلاق کے بعد اس نے اپنی رضامندی کے ساتھ فریق ثانی سے شادی کر لی تھی لہٰذا وہ اس مناسبت سے نئے خاوند کے ساتھ رہ رہی ہے۔ عبدالقادر طلاق دینے کے واقعہ کو غلط قرار دیتا ہے' اس کے برعکس فریق ثانی عورت سے شادی کو تسلیم کرتا ہے اور شادی کے بعد سے بطور میاں بیوی رہائش اور ازدواجی تعلقات کی تصدیق کرتا ہے۔ عبدالقادر کا کہنا تھا کہ چونکہ عورت ابھی تک اس کی قانونی بیوی ہے لہٰذا فریق ثانی اور عورت کے خلاف حدود آرڈیننس کے تحت زناء کا پرچہ درج کیا جائے۔ عدالت عالیہ نے تمام حالات و واقعات کا تجزیہ کرنے کے بعد قرار دیا کہ :

(ا) ان حالات میں حدود آرڈیننس کے تحت پرچہ درج کرنے کی ہدایت نہیں کی جا سکتی۔

(ب) فریقین کے درمیان قانونی شادی کی موجودگی کا سوال دیوانی عدالت کے دائرہ اختیار میں آتا ہے اور وہی اس معاملے کا جائزہ لے سکتی ہے۔ حبس بے جا کی درخواست کے تحت ہونے والی کارروائی میں اس امر کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

(ج) اگر دیوانی عدالت میں یہ بات ثابت ہو جائے کہ پہلے خاوند نے بیوی کو طلاق نہیں دی تھی اور ابھی ان کی شادی برقرار تھی تو پھر بیوی اور اس شخص کے خلاف' جس کے ساتھ اس نے پسند کی شادی کر لی ہے' پرچہ درج کر کے حدود آرڈیننس کے تحت کارروائی کا آغاز کیا جا سکتا ہے۔

ان ریمارکس کے ساتھ عبدالقادر کی حبس بے جا کی درخواست کو ابتدائی سماعت پر ہی خارج کر دیا گیا۔ (این ایل آر 1982' یو- سی- 486)

محمد خالد عرف ظفر اقبال کیس میں لاہور ہائی کورٹ نے حبس بے جا کی ایک

درخواست کو ابتدائی مرحلے ہی میں نامنظور کرتے ہوئے قرار دیا کہ درخواست کے ساتھ نکاح نامہ کی درستگی اور اصل ہونے کی جانچ پڑتال جج فیملی کورٹ کا کام ہے۔ حبس بے جا کی کارروائی میں نکاح نامے کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ واقعی اصلی اور درست ہے اور یہ کہ لڑکی کے دستخط کسی دباؤ یا ناجائز اثر کے تحت تو حاصل نہیں کئے گئے۔ لڑکی جسے درخواست گزار اپنی بیوی قرار دے رہا ہے اور موقف اختیار کر رہا ہے کہ والدین نے اسے زبردستی روک رکھا ہے' اپنے والدین کے ہاں مقیم ہے۔ ان حالات میں مبینہ طور پر محبوس لڑکی کے باپ کے نام نوٹس جاری کرنا لڑکی کے خاندان کی سبکی اور بے عزتی کے مترادف ہو گا۔ ویسے بھی لگتا ہے کہ یہ درخواست بدنیتی اور ناصاف ہاتھوں سے دائر کی گئی ہے جس کا ایک طرف یہ مقصد ہے کہ لڑکی کے والد کو ہراساں کرکے دباؤ میں لایا جائے اور دوسری طرف رائج الوقت قانون سے بچ کر براہ راست ہائی کورٹ سے شادی کے صحیح ہونے پر مہر تصدیق لگوانا ہے۔ یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ لڑکی یا لڑکے دونوں کے والدین یا رشتہ داروں نے نکاح میں شرکت نہیں کی جبکہ لڑکی مسلسل اپنے والد ہی کے ساتھ رہائش پذیر چلی آ رہی ہے ان حالات میں لڑکی کا اپنے والد کے گھر میں قیام نہ تو غیر قانونی قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسے نامناسب کہا جا سکتا ہے لہٰذا حبس بے جا کی اس درخواست کو ابتدائی سماعت کے موقع پر ہی خارج کیا جاتا ہے۔ (پی ایل ڈی 1996' لاہور 462)

پولیس کے خلاف ہراساں نہ کرنے کی درخواست

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ نوبیاہتا جوڑا پسند کی شادی کر لینے کے بعد' اس معاملے کو خفیہ رکھنے یا رخصتی کو التواء میں ڈالنے کے بجائے کھلم کھلا ازدواجی زندگی کا آغاز کر دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کی یہ جرات دونوں خاندانوں اور خاص طور پر لڑکی کے لواحقین کے لئے سخت ناراضگی کا باعث بنتی ہے۔ جذباتی لہر اور غصے کے تحت وہ پولیس سے ملاپ کرتے ہیں اور لڑکی اور لڑکے دونوں یا لڑکے کے خلاف کسی سخت کارروائی پر زور دیتے ہیں۔ پولیس یہ جانتے ہوئے بھی کہ لڑکی اور لڑکا نکاح کر چکے ہیں' والدین کے مطالبے پر ان کے خلاف رپٹ یا باقاعدہ ایف آئی آر درج کر لیتی ہے۔ اس اقدام کے بعد چونکہ پولیس کو تفتیش' گرفتاری اور دیگر کارروائی کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے اس لئے وہ لڑکی اور لڑکے پر عائد کردہ الزامات کے بہانے انہیں وقت بے وقت تنگ اور ہراساں کرنے لگتی ہے۔ اس طرز عمل کے عام طور پر دو مقاصد ہوتے ہیں' ایک تو نوبیاہتا جوڑے کو ڈرا دھمکا کر اور ہراساں کر کے ناجائز مالی مفادات حاصل کرنا اور دوسرے لڑکی کو قید و بند اور مقدمہ بازی کے ممکنہ خطرات سے خوفزدہ کر کے اس بات پر آمادہ کرنا کہ وہ لڑکے کو چھوڑ کر دوبارہ والدین کے پاس چلی

جائے۔۔۔۔۔یا پھر خاموشی سے طلاق حاصل کر لے اور اپنے آپ کو اپنے لواحقین سے منسلک کر لے۔

ایسی صورت حال پیدا ہونے پر نوبیاہتا جوڑے کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ آئین پاکستان کے آرٹیکل 35 کے تحت خاندانی زندگی کی حفاظت کے لئے عدالت عالیہ سے رجوع کرے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ:

"حکومت شادی، خاندان، ماں اور بچے وغیرہ کی حفاظت کی ذمہ دار ہے"۔

اگر پولیس کے ہاتھوں ہراساں یا بے عزت ہونے کا خطرہ لاحق ہو جائے تو نوبیاہتا جوڑا آئین کے آرٹیکل 199 کے تحت عدالت عالیہ میں پولیس اور اپنے متعلقہ لواحقین کے خلاف درخواست دائر کر کے عدالت سے استدعا کر سکتا ہے کہ عدالت، پولیس اور متعلقہ لوگوں کو بلا کر حکم جاری کرے کہ وہ ان کی ازدواجی زندگی کو برباد کرنے یا انہیں ہراساں کرنے سے باز رہیں۔

وزیراں بی بی بنام ایس ایچ او کیس میں عدالت عالیہ نے وزیراں بی بی کی ایک ایسی ہی درخواست منظور کرتے ہوئے تھانہ گڑھ تحصیل سمندری کے پولیس افسروں کو حکم جاری کیا کہ وہ درخواست گزار کی ازدواجی زندگی میں کسی طرح کی مداخلت کرنے سے باز و ممنوع رہیں۔ (این ایل آر 1988، سی ایل جے 183)

اسی طرح بنارس بنام ایس ایچ او، کیس میں بھی عدالت عالیہ نے قرار دیا کہ چونکہ لڑکی خود یہ تسلیم کرتی ہے کہ اس کی اور بنارس کی باقاعدہ شادی ہو چکی ہے لہٰذا ان کے خلاف پولیس کارروائی انہیں ہراساں کرنے کے برابر ہے۔ ان ریمارکس کے ساتھ عدالت عالیہ اس سلسلے میں کی جانے والی تمام کارروائی کو غیر قانونی اور کالعدم قرار دے دیا۔ (1995 پاکستان کریمنل لاء جرنل صفحہ 94_ (اے))

منسوخی مقدمات کی درخواست

پسند کی شادی کرنے والے بہت سے جوڑے اپنے خلاف قائم شدہ مقدمات کا ماتحت عدالتوں میں سامنا کرنے کے بجائے اکثر اوقات براہ راست ہائی کورٹ سے رجوع کرتے ہیں اور نکاح نامے کی بنیاد پر استدعا کرتے ہیں کہ چونکہ انہوں نے قانون کے مطابق جائز طور پر شادی کی ہے اس لئے ان پر قائم شدہ مقدمات کا ماتحت عدالتوں میں چلنا بے فائدہ اور بے نتیجہ رہے گا۔ مزید یہ کہ یہ "بے فائدہ مشق" عدالت کے قیمتی وقت کے زیاں کا سبب بھی بنے گا لہٰذا ماتحت عدالتوں میں زیر سماعت یا پولیس کی ایف آئی آر اور تفتیشی کارروائی کو منسوخ کرنے کے احکامات جاری کئے جائیں۔

منسوخی مقدمات کی ایسی درخواستوں پر عدالت عالیہ نے ایک جامع اصول کے بجائے ہر کیس کے حالات و واقعات کو جانچنے' پرکھنے اور ان کی روشنی میں لچک دار فیصلے کرنے کا رویہ اپنایا ہے۔ عدالت عالیہ نے اس سلسلے میں جو رہنما اصول اپنائے ہیں ان کا ایک مختصر ترین حوالہ ذیل کی مثالوں سے واضح ہو سکتا ہے۔

زبردستی اور انتقامی نکاح

پسند کی شادی پر اہل خاندان بعض اوقات مشتعل ہو کر انتقام پر اتر آتے ہیں اور پسند کی شادی کرنے والی لڑکی کو اغواء کرکے واپس لاکر اس کا نکاح زبردستی کسی دوسرے سے کروا دیتے ہیں۔ اسی پر بس نہیں' بلکہ پسند کی شادی کر لینے والے لڑکے کو سبق سکھانے کے لئے اس کے خلاف حدود آرڈیننس کے تحت زناء بالجبر اور اغواء وغیرہ کے پرچے بھی درج کروا دیئے جاتے ہیں۔

ضمانت کی ایک درخواست کو منسوخیء مقدمہ کی درخواست میں تبدیل کرکے اسے منظور کرتے ہوئے عدالت عالیہ نے کوثر پروین بنام سرکار کیس میں قرار دیا کہ دونوں ملزمان یعنی لڑکی اور لڑکا آپس میں قانونی طور پر میاں بیوی پائے گئے۔ شکایت کنندہ نے لڑکی کو زبردستی اغواء کیا' اس کے ساتھ اپنا نکاح نامہ تیار کروایا اور پھر لڑکی کے ساتھ زناء بالجبر کا مرتکب ہوا۔ مزید یہ کہ پولیس کے ساتھ مل کر الٹا اصل خاوند کے خلاف حدود آرڈیننس کے تحت جھوٹا مقدمہ بھی بنوا دیا۔ ان حالات میں درخواست ضمانت کو منسوخی مقدمہ کی درخواست میں تبدیل کیا جاتا ہے اور ضابطہ فوجداری کی دفعہ 561- اے کے تحت تمام کارروائی کو غلط اور ملی بھگت کا نتیجہ گردانتے ہوئے غیر موثر و منسوخ قرار دیا جاتا ہے۔ (1995' پاکستان کرمنل لاء جرنل 256)

بیوی اور اس کی سوتیلی ماں سے نکاح بیک وقت

فرزند علی وغیرہ بنام راجہ محمد ابراہیم وغیرہ کیس میں وفاقی شرعی عدالت کے سامنے یہ نکتہ فیصلہ کے لئے آیا کہ کیا کوئی شخص بیوی کی موجودگی میں اپنی اسی بیوی کی سوتیلی والدہ سے شادی رچا سکتا ہے۔ ہوا یوں کہ ایک شخص نے اپنے سسر کے انتقال کے بعد اس کی بیوہ سے پسند کی شادی کر لی جو رشتہ میں اس کی پہلی بیوی کی سوتیلی والدہ لگتی تھی۔ اس پر اس شخص کے خلاف حدود آرڈیننس کے تحت زناء کا مقدمہ قائم کر دیا گیا۔ وفاقی شرعی عدالت نے اس مسئلہ کے تمام شرعی پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد قرار دیا کہ یہ درست ہے کہ ملزم کی دوسری بیوی اس کی پہلی بیوی کی سوتیلی

والدہ تھی اور یہ رشتہ دونوں خواتین کے درمیان قائم تھا۔ لیکن ملزم کی پہلی بیوی کے والد کے انتقال کے ساتھ ہی' پہلی بیوی کا اپنی سوتیلی والدہ کا ساتھ موجود رشتہ ختم ہو گیا۔ اور وہ اس کے لئے کسی بھی رشتہ کی حد تک ایک اجنبی کے مترادف ہو گئی کیونکہ سوتیلی والدہ کے ساتھ اس کی دراصل کسی طرح کی کوئی خونی' جدی یا رضاعی رشتہ داری نہ تھی۔ اس قسم کی کسی رشتہ داری کی عدم موجودگی میں اپنی موجودہ بیوی کی سوتیلی والدہ کے ساتھ ملزم کی شادی محض اس لئے ناجائز نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کبھی اس کے سسر کے بیوی رہی تھی لہٰذا یہ استدلال غلط ہے کہ ایک منکوحہ بیوی کی موجودگی میں اس کی سوتیلی والدہ سے شادی اسلامی قوانین کی روشنی میں ممنوع ہے اور ان دونوں خواتین کو نکاح کر کے بطور بیگمات بیک وقت نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ اس نکتہ نظر سے دیکھا جائے تو ملزم پر جرم زناء (نفاذ حدود) آرڈیننس کی دفعات کے تحت قائم کردہ مقدمہ کا کوئی جواز نہیں ہے لہٰذا ملزم کے خلاف اس سلسلے کی تمام کارروائی منسوخ کی جاتی ہے۔ (پی ایل ڈی 1996' وفاقی شرعی عدالت صفحہ 29)

محرم کے ساتھ جانے کا غیر قانونی حکم

نسرین اختر بنام سرکار کیس میں عدالت عالیہ نے قرار دیا کہ شریعت کورٹ کے مطابق ملزم اور ملزمہ شادی کے بندھن میں بندھ چکے تھے۔ پولیس کے پاس شادی کا ثبوت موجود ہے۔ ان حالات میں ماتحت عدالت کا ملزمہ کی ضمانت اس شرط کے ساتھ منظور کرنا کہ وہ اپنے کسی محرم کو بطور ضامن پیش کرنے کے بعد ہی ضمانت پر رہا ہو سکتی ہے' غیر قانونی ہے۔ شادی کا انعقاد ثابت ہو چکا ہے لہٰذا ماتحت عدالت میں زیر التواء مقدمہ کو منسوخ کیا جاتا ہے اور ملزمان کو آزاد کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ (1994' پاکستان کریمنل لاء جرنل 2016)

فراری شادیاں اور عدالتی صوابدید

لبنیٰ وغیرہ بنام گورنمنٹ آف پنجاب وغیرہ کے عنوان سے منسوخی مقدمہ کی ایک رٹ ہائی کورٹ کے سامنے آئی۔ واقعات کے مطابق درخواست گزار کا موقف

تھا کہ اس نے اپنی مرضی سے شادی کی ہے۔ اور وہ اور اس کا خاوند باہمی طور پر جائز اور قانونی میاں بیوی بن چکے ہیں لہٰذا ان کے خلاف قائم کردہ جرم زنا (نفاذ حدود) آرڈیننس کے تحت قائم مقدمات کو منسوخ فرمایا جائے۔ عدالت عالیہ کے معزز جج مسٹر جسٹس خلیل الزحمان ردے صاحب نے سماعت کے بعد قرار دیا کہ رٹ درخواست کی سماعت کے دوران عدالت اس امر کا فیصلہ کرنے کی مجاز نہیں ہے کہ متنازعہ شادی جائز تھی یا نہیں ـــــ یا یہ کہ شادی کا رشتہ فریقین کے درمیان موجود بھی ہے یا نہیں ـــــ اس مقصد کے لئے فریقین کے پاس بہت سے قانونی راستے موجود ہیں۔ اول ـــــ تفتیشی افسر کے پاس' دوم ـــــ تفتیشی افسر سے بڑے افسران جو کہ دفعہ 551 ضابطہ فوجداری پاکستان کی رو سے ایس ایچ او بھی ہوتے ہیں' سوم ـــــ با اختیار مجسٹریٹ کے پاس' جسے دفعہ 63 ضابطہ فوجداری کے تحت ملزمان کے نام ایف آئی آر سے خارج کرنے کا اختیار حاصل ہے' چہارم ـــــ با اختیار مجسٹریٹ کے پاس' جسے پولیس رولز کے ضابطہ 24.7 کے تحت پرچہ منسوخ کرنے کے اختیارات حاصل ہیں' پنجم ـــــ با اختیار مجسٹریٹ کے پاس جسے ضابطہ فوجداری کی دفعہ 190 کے تحت ملزمان کے خلاف قائم مقدمات کی سماعت اور فیصلے کا اختیار ہے اور ششم ـــــ عدالت کے پاس' جہاں وہ سماعت کے مختلف مراحل میں سے کسی بھی مرحلے پر منسوخی مقدمہ کی درخواست گزار سکتا ہے۔ اتنے بہت سے متبادل ذرائع انصاف کی موجودگی میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ملزم کے پاس سوائے عدالت عالیہ میں درخواست گزار ہونے کے اور کوئی قانونی راستہ موجود نہیں تھا۔

ویسے بھی اس معاملے کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے کہ گھر سے فرار ہو کر کی جانے والی شادی کو ہمارے معاشرے میں کوئی اچھا یا قابل داد کام خیال نہیں کیا جاتا لہٰذا اس طرح کی شادی کرنے والوں کو قانون کے اصول مساوات کے تحت بھی داد رسی کا حق دار قرار نہیں دیا جا سکتا لہٰذا مناسب نہیں کہ عدالت عالیہ اپنا اختیار سماعت بروئے کار لاتے ہوئے انہیں مطلوبہ داد رسی مہیا کرے۔ (پی ایل ڈی 1997' لاہور 186)

❁

غیر معمولی شادیاں

سالی سے شادی

بہت سے ایسے واقعات بھی دیکھنے میں آئے ہیں جن میں ایک شادی شدہ شخص اپنی بیوی کی سگی بہن ہی سے پسند کی شادی کرنے کا ارادہ کرلیتا ہے یا اس کے ساتھ نکاح کرلیتا ہے۔ کلکتہ ہائی کورٹ نے اسلامی عائلی قوانین کی روشنی میں قرار دیا ہے کہ اپنی بیوی کی زندگی میں کوئی مسلمان اپنی بیوی کی بہن سے شادی کرنے کا اہل نہیں۔ اگر سالی سے شادی کے نتیجے میں اولاد بھی پیدا ہو جائے تو ایسی اولاد بھی ناجائز اور غیر قانونی ہو گی۔ (1895ء، 23 کلکتہ صفحہ 130)

ساس سے شادی

ایک کیس میں وفاقی شرعی عدالت کے سامنے یہ نکتہ آیا کہ کیا کوئی شخص اپنی بیوی کی موجودگی میں اس کی ماں سے بھی شادی رچا سکتا ہے۔ مقدمے کے ریکارڈ سے پتہ چلا کہ ملزم فرزند نے اپنی جس ساس سے شادی کی تھی وہ دراصل اس کی بیوی کی سگی والدہ نہیں تھی۔ بلکہ بیوی کی سگی والدہ کے انتقال کے بعد اس کے سسر نے ایک

اور عورت سے شادی کر لی تھی۔ بعد ازاں سسر کے انتقال پر ملزم نے اپنے مرحوم سسر کی بیوہ سے بھی شادی کر لی۔ وفاقی شرعی عدالت نے قرار دیا کہ ملزم کی پہلی بیوی اور دوسری بیوی (جو کہ اس کے سسر کی بیوی رہ چکی ہے) کے درمیان چونکہ براہ راست کوئی خونی رشتہ موجود نہیں ہے اور سوتیلی ماں کا جو رتبہ اسے حاصل تھا وہ سسر کے انتقال کے بعد ختم ہو چکا ہے لہٰذا ان حالات کے تحت بیوی کی سوتیلی والدہ سے بیوی کی موجودگی میں کی جانے والی یہ شادی جائز اور قانونی ہے۔ (پی ایل ڈی 1996ء' وفاقی شرعی عدالت 29)

شادی شدہ خاتون سے شادی

اگر کوئی خاتون پہلے نکاح کی موجودگی میں اپنی پسند سے دوسری شادی کر لے تو اسے اسلامی قانون کے تحت اس شادی کا حق حاصل نہیں ہے۔ ایسا نکاح شادی کے بجائے زناء کے زمرے میں آتا ہے۔ 1987ء میں سپریم کورٹ نے ایسے ہی ایک کیس میں تفصیلی بحث کے بعد قرار دیا کہ اگر شادی شدہ عورت سے شادی کرنے والے مرد کو بھی اس بات کا علم ہو کہ عورت پہلے سے شادی شدہ ہے تو وہ بھی زناء کے جرم میں برابر کا شریک تصور ہو گا۔ لیکن اگر مقدمے کے ریکارڈ اور شہادت میں ایسے قرائن موجود ہوں جن کی بنیاد پر یہ شبہ کیا جا سکتا ہو کہ مرد کو اس حقیقت کا علم نہیں تھا کہ جس عورت سے وہ شادی کر رہا ہے وہ کسی دوسرے کی منکوحہ ہے یا اسے یہ باور کروایا گیا تھا کہ اس کے جیون کا ساتھی بننے والی شادی شدہ خاتون پہلے خاوند سے طلاق حاصل کر چکی ہے تو اسے زناء کے جرم میں سزا نہیں دی جانی چاہیے بلکہ شک کا فائدہ دے کر بری کر دینا چاہیے۔ لیکن جہاں تک شادی کرنے والی شادی شدہ خاتون کا تعلق ہے وہ سزا کی پوری طرح حقدار قرار پائے گی۔ (1987ء' ایس سی ایم آر صفحہ 518)

دو شوہر' ایک بیوی

ایک لڑکی نے اپنے شوہر سے اختلافات کی بناء پر عائلی عدالت میں تنسیخ نکاح کا

دعویٰ دائر کیا۔ قانونی طریقہ کار کے تحت عدالتی نوٹس موصول نہ ہونے کی وجہ سے شوہر عدالت میں آکر اپنا دفاع نہ کر سکا۔ نتیجہ یہ کہ شوہر کی غیر حاضری میں بیوی کے حق میں تنسیخ نکاح کی ڈگری جاری ہو گئی۔ تنسیخ نکاح کے بعد لڑکی نے اپنی پسند سے ایک اور شخص سے شادی کر لی۔ اسی دوران پہلے شوہر نے عدالت میں درخواست گزاری کہ اسے نوٹس موصول نہ ہو پائے تھے اس لئے وہ تنسیخ نکاح کے مقدمہ میں حاضر نہ ہو پایا۔ عدالت نے اس کی درخواست کی سماعت کے بعد اس کے موقف کو درست پایا۔ لہٰذا تنسیخ نکاح کی یکطرفہ ڈگری منسوخ کرکے دعویٰ کی سماعت از سرنو شروع کر دی۔ اس صورت حال میں لڑکی بیک وقت دو شوہروں کی بیوی بن گئی۔ دوسرے شوہر کے خلاف پولیس نے زناء آرڈیننس کے تحت مقدمہ درج کر لیا۔ فاضل عدالت عالیہ نے قرار دیا کہ چونکہ دوسرا خاوند تنسیخ نکاح کے مقدمہ میں شامل نہیں تھا اور اس نے نیک نیتی کے ساتھ لڑکی سے شادی کی تھی لہٰذا اسے حدود آرڈیننس کے تحت شک کا فائدہ دیتے ہوئے بری کیا جاتا ہے۔ (پی ایل ڈی 1983ء' وفاقی شرعی عدالت 174)

ماموں سے شادی

عدالت عالیہ نے حاجی عبدالغفور بنام سرکار کیس میں قرار دیا کہ شادی کرنے والے میاں بیوی آپس میں رشتہ دار ہیں اور ماموں بھانجی رشتہ کے ناطے سے محرم قرار پاتے ہیں۔ لہٰذا دونوں کی شادی منعقد نہیں ہو سکتی۔ جب شوہر کو اس بات کا علم ہوا کہ یہ شادی غیر قانونی حیثیت رکھتی ہے تو اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ اس دوران میاں بیوی اپنے رشتہ داروں اور عوام کی نظر میں خاصے بے عزت ہو چکے ہیں' ان کے مزید جیل میں رہنے سے کوئی مفید مقصد حاصل نہیں ہو سکتا لہٰذا ان کی سزائے قید اس مدت تک کم کی جاتی ہے جو وہ پہلے ہی کاٹ چکے ہیں البتہ انہیں تیس تیس کوڑے لگانے کا حکم دیا جاتا ہے۔ (1994ء' پاکستان کریمنل لاء جرنل 200)

حکم امتناعی کے باوجود شادی

ایک لڑکی نے اپنے شوہر کے خلاف تنسیخ نکاح کا دعویٰ کیا۔ اس دعویٰ کا فیصلہ لڑکی کے حق میں ہو گیا لیکن شوہر نے اس فیصلے کے خلاف ہائی کورٹ میں رٹ دائر کر دی۔ رٹ کی ابتدائی سماعت کے بعد ہائی کورٹ نے لڑکی کو حکم امتناعی کے ذریعے پابند کر دیا کہ وہ رٹ درخواست کے فیصلے تک دوسری شادی نہ کرے لیکن لڑکی نے اس حکم کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی پسند کی شادی کر لی' جس پر پہلے شوہر نے درخواست گزاری کہ لڑکی کی دوسری شادی کو غیر قانونی قرار دیا جائے اور اس کے خلاف زناء کا پرچہ درج کرنے کا حکم صادر فرمایا جائے۔ اس کیس میں ہائی کورٹ نے قرار دیا کہ جہاں تک لڑکی کی دوسری شادی کا تعلق ہے اسے غیر قانونی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ عدالت عالیہ کی حکم عدولی پر اس کے خلاف توہین عدالت کی کارروائی کی جا سکتی ہے۔ (1991ء' پاکستان کرمنل لاء جرنل 673)

جنس، رومان اور اسلامی قانون

صائمہ کیس کے فیصلے میں اسلامی معاشرتی اصولوں کی روشنی میں قرار دیا ہے کہ اسلام شادی سے قبل لڑکیوں اور لڑکوں کے آزادانہ میل جول، دوستیوں اور معاشقوں کے خلاف ہے۔ اور ایسے اعمال پر سختی سے پابندی عائد کرتا ہے اور انہیں گناہ کے مترادف قرار دیتا ہے۔ جسٹس خلیل الرحمان رمدے صاحب نے اس سلسلے میں بحث کرتے ہوئے اپنے فیصلے کے پیرا نمبر25 میں فاضلانہ بحث کی ہے اور تحریر کیا ہے کہ انسانوں اور حیوانوں میں مضبوط ترین حسوں میں سے ایک حس کا نام جنس ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ چونکہ خالق بھی ہے لہٰذا اسے علم تھا کہ اگر مخلوق کی اس منہ زور حس کو کسی اخلاقی پابندی اور راہنمائی کے بغیر آزاد چھوڑ دیا گیا تو اس کے تباہ کن نتائج نکلیں گے۔ جن آزاد معاشروں نے جنس کو آزاد چھوڑ دیا ہے ان کی اپنی روزمرہ کی سماجی زندگی پر جو ناخوشگوار اور بدقسمت اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ وہ سب پر روز روشن کی طرح عیاں ہیں لہٰذا ان کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم نے مناسب سمجھا کہ دو مخالف جنسوں کے مابین آزادانہ باہمی تعلقات اور جسمانی روابط کے مسئلہ پر قرآن اور احادیث کی ہدایات کو بھی دیکھیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں لوگوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ
"اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو"۔ (سورۃ 23:5)
"اور نہ ہی زناء اور بدکاری کی طرف آؤ۔ کیونکہ یہ ایک شرمناک اور شیطانی کام ہے جو دوسری برائیوں کا راستہ کھولتی ہے"۔ (سورۃ 17:32)
قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ زنا کاری یا بدکاری مت کرو بلکہ فرمایا کہ اس کے نزدیک تک نہ جاؤ۔ لہٰذا اس حکم کی روشنی میں نہ صرف یہ کہ زناء ممنوع قرار پاتا ہے بلکہ ان تمام حرکات و سکنات اور ان تمام اعمال اور رویوں کی بھی ممانعت واضح ہوتی ہے جن کا منطقی نتیجہ زناء یا بدکاری کی صورت میں نکل سکتا ہے۔
ان کے علاوہ کچھ اور سورتیں بھی ہیں جو فواحش یعنی قابل شرم اور قابل اعتراض کاموں سے انسانوں کو منع کرتی ہیں مثلاً
"...قابل شرم کاموں کے نزدیک نہ جاؤ..... چاہے وہ کھلے عام ہوں یا خفیہ....."
(سورۃ 6:151)
"...کہو کہ میرے اللہ نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے وہ ہیں شرمناک کام چاہے وہ اعلانیہ ہوں یا خفیہ....." (سورۃ 7:33)
"...اور وہ (اللہ) تمام شرمناک کاموں کی ممانعت کرتا ہے...." (سورۃ 16:90)
"... نہیں... کہو کہ اللہ کبھی بھی شرمناک کام کرنے کا حکم نہیں دیتا..." (سورۃ 7:28)
اللہ تبارک و تعالیٰ سے بہتر کون جان سکتا تھا کہ عورت اور مرد کے آزادانہ میل جول کے کتنے ہولناک نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خالق کائنات نے خواتین کو گھر کی چار دیواری میں رہنے کی ہدایت فرمائی ہے جس کا واضح ذکر سورۃ 33:33 میں موجود ہے۔ اللہ نے سورۃ 24:31 میں ہدایات جاری فرمائی ہیں کہ اگر خواتین کے لئے گھر سے باہر جانا ضروری ہو تو وہ مندرجہ ذیل باتوں کا خاص خیال رکھیں۔

(1) وہ اپنے نقابوں کو نیچا رکھیں۔
(2) اپنی خوبصورتی اور زیورات و زینت کی نمائش نہ کریں۔
(3) اپنے سینوں کو ڈھانپ کر رکھیں ان لوگوں کے سامنے جنہیں جنس کا ادراک حاصل ہے۔
(4) زمین پر زور زور سے پاؤں مار کر نہ چلیں تاکہ لوگ ان کے بناؤ سنگھار کی طرف متوجہ ہوں۔

اس کے بعد سورۃ 33:59 میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ مسلمان عورتوں کو بتا دیں کہ جب وہ گھروں سے باہر نکلیں تو اپنے بدن کو اوپری کپڑے سے ڈھانپ لیا کریں تاکہ ان کی شہرت شریفوں جیسی ہو اور کوئی انہیں ستانے یا چھیڑنے کا حوصلہ نہ کرے۔

پھر سورۃ 33:32 میں مسلم عورت کو ہدایت ہوتی ہے کہ عورتیں جب مردوں سے گفتگو کریں تو ایسا لہجہ مت اختیار کریں کہ دلوں میں ہوس کی بیماری رکھنے والے مردوں میں کوئی غلط خواہش جاگ اٹھے بلکہ مناسب یعنی باوقار لہجے میں بات کریں۔

سورۃ 33:53 میں مردوں کو بھی تلقین کی گئی ہے کہ جب وہ خواتین سے بات کریں تو پردے کے پیچھے سے بات کریں کہ اس سے دل صاف اور پاکیزہ رہتے ہیں۔

ان تمام ہدایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام ان تمام ممکنات کو جڑ سے ختم کرنے کا حامی ہے جن سے وہ مرد عورتوں کی طرف اور وہ عورتیں مردوں کی طرف کشش محسوس کریں۔ جن کے مابین شادی کا رشتہ موجود نہیں ہے۔

ایک نابینا صحابی ابن مکتومؓ ایک مرتبہ رسول پاک ﷺ کے گھر تشریف لائے۔ تو آپؐ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمیٰؓ کو ہدایت فرمائی کہ وہ ان سے پردہ کریں۔ حضرت ام سلمیٰؓ نے جواب دیا کہ ابن مکتوم تو نابینا ہیں، دیکھ نہیں سکتے۔ پھر ان سے پردہ کیسا۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابن مکتوم تو واقعی نابینا ہیں لیکن آپ تو نہیں ہیں۔ (سنن ابی داؤد)

حضور ﷺ نے گھر باہر نکلتے پر عورتوں کو خوشبو لگانے سے بھی منع فرمایا۔

مبادا مہک کی وجہ سے باہر کے مرد ان کی طرف متوجہ ہوں۔ (سنن ابی داؤد۔ کتاب الرجل)

مذکورہ بالا احکامات قرآنی اور احادیث نبوی سے صاف ظاہر ہے کہ قانونی طور پر زوجین کے علاوہ اسلام عورت اور مرد کے باہمی تعلقات کی ممانعت کرتا ہے۔ ماسوائے بچوں کے اور ان قریبی رشتہ دار مردوں سے جن سے ایک مسلمان عورت شادی کرنے کی اہل نہیں ہوتی یا پھر ان مردوں سے جو بہت بوڑھے ہیں۔

اس بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ شادی سے قبل یا شادی کے بعد بھی زوجین کے علاوہ دوسرے غیر محرم مردوں سے عورتوں کے تعلقات کو اسلام نے سختی سے ممنوع قرار دیا ہے۔ لہٰذا میاں بیوی کے علاوہ کسی دوسرے مرد یا عورت سے کورٹ شپ یا رومان اور محبت کی اسلام میں بالکل اجازت نہیں ہے۔ قرآن حکیم اس نظریے کی تصدیق اور توثیق کرتا ہے۔ اس سلسلے سورة 2:235 سورة 4:24، سورة 5:6 کا مطالعہ صورت حال کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے۔

اپنے فیصلے کے پیرا نمبر 28 میں جسٹس خلیل الرحمان ردے صاحب مندرجہ بالا بحث کی روشنی میں نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔

"لہٰذا یہ بات بالکل واضح ہے کہ چوری چھپے محبت کے معاملات اور جنسی ساتھی رکھنا ایک ایسا عمل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مسترد کیا ہے اور اسے ممنوع قرار دیا ہے۔"[۹۹]

بنیادی انسانی حقوق۔ جنسی آزادی۔ پسند کی شادی

پسند کی شادی کے حوالے سے صائمہ کیس میں جسٹس خلیل الرحمان رمدے نے اپنے فیصلے کے پیرا نمبر 29 میں ایک اور بہت اہم پہلو پر بھی بحث کی ہے اور وہ ہے بنیادی انسانی حقوق کا مسئلہ۔۔۔ انہوں نے تحریر کیا ہے کہ بعض حلقوں کی طرف سے یہ آواز بڑے شد و مد کے ساتھ اٹھائی جا رہی ہے کہ عورت اور مرد کے آزادانہ میل جول پر پابندی دراصل بنیادی انسانی حقوق پر قدغن لگانے مترادف ہے۔ اس نعرے کے دعویدار یہ بھول جاتے ہیں کہ ترقی یافتہ ممالک تک میں کوئی بھی آزادی دراصل مکمل آزادی نہیں ہوتی۔ کسی بھی ملک کا آئین دیکھ لیں جہاں وہ آزادیوں کی ضمانت دیتا ہے۔ وہاں ان آزادیوں کے استعمال پر مناسب حدود و قیود کا اہتمام بھی کرتا ہے۔ امریکہ کا آئین شاید واحد آئین ہے جہاں بنیادی انسانی حقوق کے سلسلے میں حدود و قیود کا ذکر نہیں ملتا۔ لیکن اس کمی کو ان کی سپریم کورٹ نے یہ قرار دے کر پورا کر دیا ہے کہ حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان آزادیوں کو ضروری قواعد و ضوابط کا پابند بنا دے۔ جن معاشروں نے جنسی آزادی کو اخلاقی قواعد کا پابند کرنے سے احتراز کیا ہے وہ معاشرے آج قانونی ہم جنس پرستی' سگے بہن بھائی کی شادی' کنواری بیویوں'

کنوارے شوہروں، بن بیاہی ماؤں اور بن ماں باپ کے بچوں جیسے بھیانک مسائل سے دو چار ہیں۔ اگر ان رویوں کو انسانی آزادی کے نام پر تحفظ دیا جاتا رہا تو اندیشہ ہے کہ کہیں ہم نسل انسانی کو شرف انسانی سے پیچھے دھکیل کر دوبارہ حیوانی اور جنگلی سطح تک نہ لے جائیں۔ کیونکہ محض بچے پیدا کرنے کی فطرت تو انسان اور حیوان دونوں میں موجود ہوتی ہے۔ یہ اعلیٰ اقدار، الہامی کتب اور اللہ کے پیغمبروں کی تعلیمات کا اعجاز ہے کہ جس نے جنسی عمل کو صرف جسمانی اور حیوانی سطح سے بلند کرکے مرد اور عورت کے درمیان پائیدار تعلق اور باعزت رشتے میں بدل دیا اور یہی عزت اس رشتے کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد کو دی۔

مندرجہ بالا بحث چونکہ ایک کیس میں کی گئی ہے جو پسند کی شادی سے متعلق ہے اس لئے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ کسی بھی اچھے معاشرے کا اخلاق آزادانہ جنسی تعلق کے بعد شادی کو پسندیدہ قرار نہیں دے سکتا۔ اور ایک اسلامی معاشرے میں مادر پدر آزاد پسند کی شادی کو ایک یا دو اشخاص کا ذاتی معاملہ یا بنیادی انسانی حق قرار دے کر صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔

شادی کا معاہدہ اور مذہبی تقدس

ایف ڈی ملا کی کتاب محمڈن لاء کی دفعہ 250 کے تحت شادی کی قانونی تعریف بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ شادی' نکاح ایک ایسے معاہدے کا نام ہے جس کا بنیادی مقصد افزائش نسل انسانی بچوں کی سماجی حیثیت کو قانونی اساس مہیا کرنا ہے۔

1886 میں الہ آباد ہائی کورٹ نے عبدالقدیر بنام سلیمہ کیس میں معروف جج سید محمود نے قرار دیا کہ مسلمانوں میں شادی کو کوئی مذہبی تقدس حاصل نہیں ہے بلکہ یہ محض ایک عام معاہدے کی حیثیت رکھتی ہے اور فریقین کے درمیان تمام حقوق و فرائض کی ذمہ داری نکاح کے فوری بعد ہی شروع ہو جاتی ہیں۔ جبکہ قبل از نکاح کی کوئی ذمہ داری ان پر عائد نہیں کی جا سکتی۔ (حوالہ: All .149 8 (1886))

خورشید بی بی کیس میں سپریم کورٹ آف پاکستان نے قرار دیا کہ اگرچہ شادی کے عمل میں بلاشبہ اخلاقی اور روحانی مدارج اور اثرات بھی پہلو بہ پہلو چلتے ہیں لیکن یہ بنیادی بات اپنی جگہ پر قائم ہے کہ شادی فریقین کے درمیان صرف ایک معاہدہ کی حیثیت رکھتی ہے جسے ضرورت پڑنے پر ختم کیا جا سکتا ہے۔ اسلام دین فطرت ہے اور یہ اصول انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ (پی ایل ڈی 1967' سپریم کورٹ 97

جسٹس قدیر الدین احمد نے قرار دیا ہے کہ اگرچہ نکاح میں کسی مذہبی رسم کی ادائیگی لازمی نہیں ہے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اس عمل سے سرے سے نہ تو مذہب کا کوئی عمل دخل ہے اور نہ ہی خداوند تعالیٰ کی خوشنودی کا کوئی عنصر شامل ہے۔ شادی کے عمل اور زوجین کے حقوق و فرائض میں شروع سے آخر تک جو لوازمات ضروری قرار دیئے گئے ہیں اگر ان میں سے تقدس کا لازمہ نکال دیا جائے تو اس کا سارا اسلامی کردار ضائع ہو جائے گا۔ (1960 کراچی ڈیکلی لاء رپورٹر صفحہ 29)

اس سے قبل 1933 میں انیس بیگم بنام اے ولی خان کیس میں چیف جسٹس الہ آباد ہائی کورٹ جسٹس سلیمان نے قرار دیا تھا کہ شادی محض ایک سول کنٹریکٹ نہیں ہوتی بلکہ اس میں مذہبی تقدس بھی شامل ہوتا ہے۔ (آئی ایل آر 1933' الہ آباد جلد 45' صفحہ 743)

جسٹس ایس ایم زبیر نے لاہور ہائیکورٹ میں نجمہ طارق کیس کے فیصلے میں قرار دیا کہ شادی مرد اور عورت کے درمیان ایک معاہدہ ہے جو افزائش نسل کے لئے کیا جاتا ہے اور اس کی بنیاد باہمی ایجاب و قبول پر ہے۔ آئین پاکستان کے آرٹیکل 25 کے مطابق تمام شہری قانون کی نظر میں برابر ہیں۔ آئین جنس کی بنیاد پر کسی سے امتیاز نہیں برتتا۔ آرٹیکل 35 کے مطابق ریاست ہر خاندان کے تحفظ کی ذمہ دار ہے اس طرح لڑکی کا اپنے سرپرستوں پر انحصار کا معاملہ غائب ہو جاتا ہے۔ فاضل جج نے قرار دیا کہ نجمہ اور اس کا شوہر عاقل اور بالغ ہیں' دونوں نے اپنی مرضی سے شادی کی ہے اس لئے انہوں نے قانون کے مطابق کوئی جرم نہیں کیا۔ پولیس ان کے خلاف حدود آرڈیننس کے تحت مقدمہ درج نہیں کر سکتی۔ (نوائے وقت 6 مارچ 1997)

عاقل بالغ اولاد۔۔ والدین اور اللہ کا حکم

پسند کی شادی میں والدین کی مرضی اور اجازت کو کیا حیثیت حاصل ہے' اس پر بحث کا حتمی نتیجہ تو عدلیہ نے یہی نکالا ہے کہ ان کی اجازت کے بغیر پسند کی شادی کو غیر قانونی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن اس کے ساتھ اسلامی احکامات اور قوانین کی روشنی میں والدین کی اہمیت اور ان کی خوشنودی کی جو اہمیت اللہ اور اسلام کی نظر میں ہے اسے بھی نظرانداز نہیں کیا۔

صائمہ کیس کے فیصلے میں بھی اس نکتے پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور قرآن حکیم کی سورۃ 2:83' سورۃ 2:215' سورۃ 4:36' سورۃ 6:151' سورۃ 17:23'24 اور سورۃ 29:8 کے حوالے سے مندرجہ ذیل تاثرات کا اظہار کیا گیا ہے اور قرار دیا گیا ہے کہ ایک انسان کو اللہ تعالیٰ بعد اپنے وجود اور تخلیق کے سلسلے میں اپنے والدین کا احسان مند ہونا بھی لازم ہے۔ اگر انسان انصاف کی نگاہ سے دیکھے تو وہ اپنے والدین کی اس مسلسل بے آرامی' مشقت' محنت اور قربانی کا اندازہ با آسانی لگا سکتا ہے جو پیدائش سے لے کر جوانی کی دہلیز تک دستک دینے کے مدارج تک اس کے والدین کو درپیش رہی ہے۔ کیا کسی بچے کو یہ چاہئے کہ وہ جوان ہو کر ان سب قربانیوں کو نظرانداز کر

دے اور بوڑھے والدین کو کسی اولڈ ہاؤس میں چھوڑ آئے یا پھر کسی گوشے میں اس طرح چھوڑ دے جیسے ردی اور بیکار اشیاء کو کوڑے دان میں ڈال دیا جاتا ہے نہیں اگر اللہ نے ہمیں والدین کے ساتھ محبت اور نرمی کا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے تو بے وجہ یا بے سبب نہیں دیا۔ کیا یہ زیب دیتا ہے کہ جوان ہو کر اولاد سے کہے کہ اب میں خود عاقل، بالغ ہو گیا ہوں یا ہو گئی ہوں اس لئے اسے والدین کی بات ماننے کے قانونی اور اخلاقی پابندی سے آزادی حاصل ہو گئی ہے۔ لہٰذا وہ اپنے ذاتی معاملات میں والدین سے مشورہ تک کرنے کی روادار نہیں ہے۔

ایسا ہرگز نہیں ہے اوپر حوالہ میں دی گئیں آیات قرآنی سے واضح ہے کہ اللہ نے اپنی اطاعت اور پرستش کے فوراً بعد والدین کی اطاعت کا تذکرہ کیا ہے اس سے والدین کی وہ اہمیت اجاگر ہوتی ہے جو اللہ نے انہیں معاشرے میں بخشی ہے۔ یہی نہیں اللہ والدین کے بعد اقرباء سے بھی ایسے ہی مہربانی سلوک کی ہدایت فرماتا ہے۔ اس سے خاندانی نظام کی اہمیت بھی واضح ہوتی ہے۔ اللہ خاندانی نظام کی حفاظت اور مضبوطی کا حکم دیتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اچھا خاندانی نظام ہی معاشرے کو توڑ پھوڑ سے بچا سکتا ہے۔ لہٰذا معاشرے کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اعلیٰ معاشرتی اقدار کے فروغ کے لئے اپنے کچھ حاصل شدہ حقوق اور خواہشات کی قربانی دینے کے لئے تیار رہے اور اپنے عاقل اور بالغ ہونے کو بنیاد بنا کر محض اپنی خوشی اور پسند کے فیصلے کرنے سے گریز کرے ورنہ انارکی اور بدنظمی کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہو جائے گا جو پورے معاشرتی بندھنوں کو جلا کر راکھ کر دے گا۔ اپنا قانونی حق استعمال کرنے کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ اس حق کو اس طرح استعمال کیا جائے جو دوسروں کے لئے بے عزتی اور خوفزدگی کا باعث بن جائے۔ ماں باپ ہمیشہ اپنی اولاد کی بہتری سوچتے رہتے ہیں۔ تو کیا ایسے میں مناسب ہے کہ اولاد عاقل بالغ ہونے کے بعد محض اپنی خوشی اور لطف اندوزی کے لئے اپنے حقوق کو اس انداز میں بروئے کار لائے جو والدین کو شرم و ندامت کے کنوئیں میں غرق کر دے۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب مشکل نہیں ہے۔

کچھ حلقوں کا خیال ہے کہ قرآن حکیم میں والدین کی اطاعت کے بارے میں جس قدر تلقین آئی ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کی ایک خواہش یا ہدایت کا درجہ رکھتی ہے۔ اور یہ کہ والدین کی اطاعت کو قانونی تقدس کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ اگر اس ہدایت کی کوئی قانونی بنیاد ہوتی تو اس کی خلاف ورزی اور والدین کی حکم عدولی پر قرآن کوئی نہ کوئی سزا بھی ضرور مقرر کرتا۔ یہ جواز اہم ہے لیکن اگر کوئی شخص زکوۃ ادا نہیں کرتا یا رمضان کے مہینے میں فرض روزے نہیں رکھتا' نمازیں نہیں پڑھتا یا خدا کے علاوہ کسی اور کی پرستش کرتا ہے تو کیا محض اس لئے ان اعمال کو جائز اور قانونی قرار دے دیا جائے کہ قرآن یا اسلام نے ان فرائض کی خلاف ورزی کی کوئی سزا تجویز نہیں کی۔ اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ یہاں ہم متفقہ طور پر یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ اللہ نے اس خواہش کا اظہار کیا ہے۔ چلیں اگر اس بات کو صرف اللہ کی خواہش ہی مان لیں تو یہ بھی تو دیکھیں کہ یہ خواہش کس ہستی کی ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ کی ـــــ جو سب حکمرانوں کا حکمران ہے ـــــ یہاں تو یہ حالت ہے کہ ایک عام دنیاوی حکمران کی خواہش کو ایک عام آدمی نظر انداز نہیں کر سکتا تو ایک ازلی اور ابدی حکمران اعلیٰ کی خواہش سے پہلو تہی کس طرح نظر انداز کی جا سکتی ہے۔

پسند کی شادی پر ہائیکورٹ کے اخذ کردہ نتائج

جسٹس خلیل الرحمان رمدے نے صائمہ کیس میں پسند کی شادی کے مسئلے پر تمام تر بحث کی سماعت کے اپنے فیصلے میں ولی کی اجازت کے بغیر ایک مسلمان بالغ عاقل لڑکی کے نکاح کو جائز قرار دیتے ہوئے چند بہت اہم نتائج اخذ کئے ہیں جن کا مفہوم حسب ذیل ہے۔

1- پسند کی شادی کو اس کے انعقاد کے بعد ناجائز قرار دینے سے بہت سنجیدہ معاشرتی اور تادیبی اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ جن کے منفی نتائج نہ صرف بیوی اور شوہر کو اپنی لپیٹ میں لے سکتے ہیں بلکہ ایسی شادی سے پیدا ہونے والے معصوم بچے بھی ان کی زد میں آ سکتے ہیں۔ لہذا کسی ٹھوس مواد اور ناقابل تردید شہادت کے بغیر ایسی شادی کو ناجائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جو احادیث ایسی شادیوں کے خلاف جواز کے طور پر پیش کی گئیں ان کے صحیح ہونے کے بارے میں کوئی قابل تردید ثبوت سامنے نہیں آ سکا۔ اندریں حالات زیر بحث شادی کو ناجائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اور یہی میرا فیصلہ ہے۔

2- جائز اور قانونی شادی کے لئے لڑکے اور لڑکی دونوں کا رضامند ہونا ایک لازمی

ضرورت ہے۔ اور کسی ولی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ لڑکی کی رضامندی کے بغیر اس کے نکاح کی اجازت از خود دے دے۔

3- عورتوں اور مردوں کے درمیان بغیر شادی تعلقات' کورٹ شپ' شادی سے قبل تعلقات' خفیہ یارانوں اور چوری چھپے شادیوں کی اسلام سختی سے ممانعت کرتا ہے۔

4- اللہ کے وضع کردہ معاشرتی نظام میں خاندان کو ایک خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اگرچہ یہ قرار دینا ممکن نہیں کہ والدین یا ولی کو یہ اختیار ہے کہ وہ کسی کو ایک خاص جگہ شادی پر مجبور کریں لیکن یہ حق انہیں ضرور حاصل ہے کہ شادی کے معاملے میں ان سے مشورہ لیا جائے ان کو اعتماد میں لیا جائے اور ان کی خواہشات کا احترام کیا جائے۔

5- یہ نظریہ کہ ایک نوجوان لڑکی یا لڑکا یہ حق رکھتا ہے وہ اپنے جیون ساتھی کی تلاش میں خود نکل کھڑا ہو اسلامی تعلیمات سے صریح تضاد رکھتا ہے ویسے بھی خاوندوں کی تلاش' ان کی آزمائش اور متعلقہ تجربات میں خوفناک خطرات موجود ہیں لہٰذا اس نظریئے کی حمایت نہیں کی جا سکتی۔

6- اسی طرح اگر کوئی لڑکی یا لڑکا پسند کی شادی کرنا چاہتے ہیں لیکن والدین کسی طرح ان کی جائز خواہش کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہیں تو انہیں یہ حق حاصل ہے کہ وہ مجاز عدالت سے رجوع کریں۔ اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ایسی صورتوں میں قاضی یا جج حالات کو دیکھتے ہوئے ولی کی حیثیت سے خود شکایت کنندہ کو پسند کی شادی کی اجازت دے سکتا ہے اور ان والدین کے خلاف فیصلہ کر سکتا ہے جو اپنے بچوں کے جائز اسلامی حق میں رکاوٹ بن کر اسلامی معاشرتی اقدار کی خلاف ورزی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

7- بعض علاقوں میں وٹہ سٹہ کی شادیوں کا رواج عام ہے۔ لوگ اپنی بہن یا بیٹی کے بدلے میں شادی کر لیتے ہیں۔ اسی طرح دولت کے لالچ میں کچھ لوگ اپنی

خواتین کے رشتے ان کی مرضی کے خلاف طے کر دیتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک یہ رویہ بھی ناپسندیدہ ہے۔ ایسی صورت میں لڑکی کو اختیار حاصل ہے کہ وہ عدالت کے دروازے پر دستک دے کر مذکورہ بالا رویئے کے خلاف داد رسی حاصل کرے۔ اور عدالت کے ذریعے والدین اور بزرگوں کی ضد یا زبردستی کے فیصلوں سے آزادی حاصل کر لے۔

8- ہمارے سامنے ایک کیس ایسا بھی آیا ہے جس میں ایک مسلمان لڑکی ایک عیسائی ڈرائیور کے ساتھ بھاگ گئی۔ (کوئی معاملہ اس کے الٹ بھی ہو سکتا ہے) ایسے بھی کیس سامنے آئے ہیں جن میں والدین کی مرضی کے بغیر شادی کا مرکزی محرک صرف دولت تھی۔ ایسے معاملات میں والدین کو حق حاصل ہے کہ وہ عدالت کے ذریعے اس طرح کی شادیوں کو غیر قانونی قرار دلوا سکیں۔ جن کے سبب پورے خاندان کو بے عزتی اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو۔ عدالت ایسی صورت میں تمام فریقین کا موقف سننے کے بعد' خاندان کی خواہشات کا ادراک کرنے کے بعد اور حالات و واقعات کا تجزیہ کرنے کے بعد اگر بطور ولی محسوس کرے کہ متنازعہ شادی کو جاری رکھنا خود شادی کرنے والے جوڑے کے لئے نقصان کا باعث ہو گا تو وہ ایسی شادی کو غیر قانونی قرار دے کر اسے منسوخ کر سکتی ہے۔ اسلام کے مطابق ایسی شادی کو منسوخ کروانے کا حق والدین کو حاصل ہے۔ ان کی عدم موجودگی میں یہ حق بھائی اور ان کی عدم موجودگی میں محرم استعمال کر سکتے ہیں اس تجویز پر عمل کرنے سے بہت سے افراد قانون کو ہاتھ میں لینے سے بچ سکتے ہیں۔

فاضل جج نے یہ بھی قرار دیا کہ جب تک ملکی قانون میں مناسب تبدیلیاں نہیں ہو جاتیں فیملی کورٹس مذکورہ بالا اخذ کردہ نتائج کی روشنی میں فیصلے کریں گی۔ (پیرا 60-59 _ جسٹس خلیل الرحمان رمدے۔ صائمہ کیس 1997)

پسند کی شادی اور عدالتی صوابدید

صائمہ کیس میں گو کہ بنیادی طور پر یہ قرار دے دیا گیا ہے کہ پسند کی شادی کو ناجائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ اسلام چوری چھپے کی محبت بازی، رومان، یارانوں اور خفیہ شادیوں کے خلاف ہے۔ اس لئے جسٹس خلیل الرحمان رمدے صاحب نے اپنے تحریر کردہ فیصلے کے آخری حصے میں قرار دیا ہے کہ اصول انصاف یہی ہے کہ صرف اس فریق کو انصاف مہیا کیا جائے جو عدالت میں نیک نیتی سے آئے اور صاف ہاتھوں سے عدلیہ کے دروازے پر دستک دے۔ جو اشخاص ایسا عمل کریں جو عزت و ناموس کے خلاف ہو یا معاشرتی اور اخلاقی روایات کے برعکس ہو، ایسے لوگ اصول انصاف کے تحت عدالت سے داد رسی حاصل کرنے کے نا اہل قرار پاتے ہیں۔ لہٰذا جن لوگوں نے اوپر بیان کئے گئے طریقے سے پسند کی شادی کی ہو وہ بھی اس طرح کہ اپنے والدین اور خاندانوں کو ناراض کر لیا ہو اور معاشرتی اقدار کو پامال کیا ہو، ان کے بارے میں کہا جائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ لہٰذا ایسے مقدمات میں عدالت پسند کی شادی کرنے والے جوڑے کے حق میں یا مخالفت میں، حالات کے تجزیئے کے بعد، اپنی صوابدید کے مطابق فیصلہ کر سکتی ہے۔

اس معاملے کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ والدین یا خاندان والے کسی نوجوان کی شادی کے سلسلے میں غفلت کا شکار ہو گئے ہوں یا اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے میں ناکام ہو چکے ہوں یا کسی لالچ کے تحت جان بوجھ کر اولاد کی شادی سے گریزاں ہوں۔ ایسی صورت میں اولاد کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے والدین وغیرہ کے خلاف عدالت سے رجوع کرے اور اگر عدالت یہ محسوس کرے کہ واقعی شکایت درست ہے تو وہ شکایت کنندہ کو باقاعدہ اجازتی سرٹیفکیٹ جاری کرے گی۔ اس کے بعد وہ اپنی پسند کی شادی کرنے میں آزاد ہو جائے گا۔

ظفر علی راجا

کی

دیگر کتب

عریاں مکان	شاعری
زاویہء ظفر	طنزیہ مزاحیہ کالم
قائد اعظم اور خواتین	سوانح
ڈیڑھ انگلی کا اشارہ	پر تجسّس کہانیاں
ججوں اور وکیلوں کے لطیفے	لطائف
گوری تیرے روپ	سہ مصرعی نظمیں (زیر طبع)
نئے گل کھلے	قطعات (زیر ترتیب)
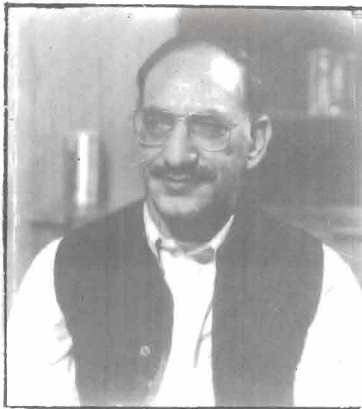
ظفر علی راجا ایڈووکیٹ نے قانون کو عدالتوں کی چار دیواری سے نکال کر عوام تک پہنچانے کے سلسلے میں گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ ان کی کاوشات کا دائرہ پاکستان کے پسماندہ دیہات سے قانون کی بین الاقوامی یونیورسٹیوں تک پھیلا ہوا ہے۔

1985ء میں ظفر علی راجا نے دنیا بھر کی اعلیٰ عدالتوں میں اسلامی قانون پر دیئے گئے فیصلے جمع کرنے کا بیڑہ اٹھایا اور تن تنہا وہ کام کر دکھایا کہ بڑے بڑے ادارے بھی کرنا چاہیں تو فقط سوچ کر رہ جائیں۔ اب تک ان کا یہ کام بیس ضخیم جلدوں میں "اسلامک ججمنٹس" کے نام سے شائع ہو کر بین الاقوامی یونیورسٹیوں میں پذیرائی حاصل کر چکا ہے۔ اس عظیم الشان کام پر 1989ء میں انہیں پیرس میں بین الاقوامی ایوارڈ سے نوازا گیا۔

قانونی تعلیم کو عوام تک پہنچانے کے لئے راجا صاحب نے اخبارات، رسائل اور ٹیلی ویژن کو ذریعہ بنایا، بے شمار مضامین کے علاوہ اب تک پاکستان ٹیلی ویژن سے ان کے "قانونی مشورے" کے زیر عنوان سو سے اوپر پروگرام، "حصول انصاف" کے زیر عنوان ساٹھ کے قریب پروگرام، "عورت اور قانون" کے زیر عنوان چھبیس پروگرام پاکستان کے علاوہ چھتیس دوسرے ممالک میں نشر ہو چکے ہیں۔ آج کل ان کی کمپیئرنگ میں آدھ گھنٹے کا ہفتہ وار پروگرام "ہم اور قانون" دکھایا جا رہا ہے۔ ٹی وی پروگراموں کے حوالے سے آپ کو گولڈن جوبلی ایوارڈ دیا گیا۔

اس کے علاوہ ظفر علی راجا چودہ سو سال کے دوران دیئے گئے اسلامی عدالتی فیصلوں کے زیر ترتیب بین الاقوامی انسائیکلوپیڈیا کی ٹیم میں بھی شامل ہیں۔

زیر نظر کتاب ان ہزاروں خطوط کی روشنی میں ترتیب دی گئی ہے جو ٹی وی پروگراموں کے دوران موصول ہوئے تھے۔